ہماری ویب ڈیجیٹل بک

افتخار رحمانی

IFTIKHAR RAHMANI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "iftikhar Rahmani"
at Hamariweb.com

کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح

گجرات کے وزیر اعلی اور سرخیوں میں ہمیشہ رہنے کے شوق کے حامل نریندر مودی آج کل بڑی کشمکش کا شکار ہیں ان کی یہ بے چینی زیادہ معنی نہیں رکھتی تاہم کچھ امور ایسے لاحق ہو گئے ہیں کہ کلفتیں بڑھتی جارہی ہیں اور دل کی خلش مائل بہ عروج ہے ،دنیا جانتی ہے کہ بے جی پی اور 'راج دھرم' ایک ہی سکہ کے دو پہلو ہیں دونوں کے اغراض و مقاصد گرچہ جدا ہوں تاہم نشان منزل اور مطمح نظر ایک ہی ہے ،دونوں اپنے اپنے علاقہ میں اپنے متعینہ خطوط و نکات پر عمل پیرا ہیں دونوں میں مخالفت اگر ہوئی بھی تو آپسی مصالحت اور افہام و تفہیم کے ذریعہ حل کر لی گئی ، خوشی و غم دونوں میں برابر کے شریک رہے ہیں ۔الغرض ابھی 'راج دھرم' کا عجیب بیان آیا ہے کہ وزیر اعظم کیلئے تو منتخب اور بی جے پی کیلئے 'ہر دیہ سمراٹ' تصور کئے جانے والے کے لیے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ملک کی گفتگو نہ کرکے محض گجرات کی رٹ لگائے پھریں ، یہ تو محض اس کا گمان ہے کہ گجرات ماڈل مستقبل کے بھارت کیلئے سود مند ہوگا ،جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج کا گجرات مودی کے لاکھ دعووں اور غیر معقول دلیلوں کے باوجود اپنے متعینہ خطوط سے بہت دور ہے ۔اس کی ریاست میں ظاہری ترقیات کی تگمہ خیری ایسی واقع ہو رہی ہے کہ بڑا سے بڑا دانشمند ذی فہم بھی مرعوب ہو جارہا ہے اور یقین کر بیٹھتا ہے کہ

ترقیات ہر سطح کی ہیں۔ذرا تصور کیجئے !ترقیات کے معنی توہر گز یہ نہیں ہو سکتے کہ انسانیت کی حرمتوں کو روند دیا جائے اور اس امر کو ثابت کرنے کی پرزور کوشش کی جائے کہ ترقیات کے کوہ ہمالہ کو سر کر لیا گیا ہے آخرش ترقیات کے کیا معنی ہو سکتے ہیں ؟ترقی کے یہ معنی ہونگے کہ تمام انسانی اور تہذیبی اقدار کو مٹا کر اور تمدنی بنیاد کو کھوکھلا کرکے ہندوتو کی بلند و بالا عمارت کھڑی کردی جائے ؟ہاں ترقیات نے اوج ثریا سے ہم کلامی کر لی ہے اور اس کے دورس نتائج بھی سامنے آرہے ہیں مگر انسانیت کی مردہ لاش کو روند کرکے یہ شرف حاصل کیا گیا ہے اور مودی نے جس گجرات ماڈل کی بات کو اپنا تکیہ کلام قرار دیتا ہے وہ یقینا ہندوستان کو گجرات بنانے کا ایک ادھورا خواب ہے کہ ملک کی عظیم جمہوریت اور گنگا جمنی تہذیب کو لخت لخت کرکے ھندوتو اور مکمل ہندو راشٹر کی بنیاد و طرح رکھ دیں۔'راج' کی شخصیت سیکولر نہیں کہی جاسکتی اور نہ ہی کبھی ملک کی سالمیت و تحفظ کے تئیں اپنی فکر کو متحرک کیا ہے بلکہ ازل سے ہی منافرت ، تفریق اور عداوت کو پیش نظر رکھا ہے وہ آج مودی کو نصیحت کرتے نظر آرہے ہیں کہ آپ گجرات کی بات نہ کریں بلکہ ہندوستان کی بات کریں ،آخر حق حق ہے کبھی نہ کبھی اس کا اظہار ہو کر رہتا ہے۔'راج' جیسے آدمی نے بھی نصیحت دے ڈالی کہ آپ ھندوستان کو ہندوستان رہنے دیں اپنا گجرات بنانے کی نا مشکور سعی نہ کریں اب مودی کیلئے مزید ذلت و خواری کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے گمان کی رو میں، اس قدر

بدحواس ہو گیا ہے کہ یار غار بھی پند و نصیحت کو اپنا لازمہ قرار دے رہا ہے۔بی جے پی کی کشتی کا ناخدا جس' شخص 'کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے وہ کسی نہ کسی حد تک مشکوک ہے جس طرح اس کا تکیہ کلام گجرات ہے اسی طرح اپنے آئیڈیل کی گفتگو کو سرراہ بیان، کرنا اعزاز سمجھتا ہے اس ذیل میں بھیٔ راج' نے مشورہ دیا کہ آپ سردار پٹیل کے مطمح نظر کو کیوں اپنا نصب العین گردانتے ہیں اور بھی دیگر آنجہانی قائد ہیں کیوں نہیں ان کے افکار و خیالات سے اتفاق رکھتے ہیں ؟ مودی کے لیے جہاں تعریفی کلمات کہے وہیں نکیر بھی کی کہ ہم آپ کے ہر ایک امر سے اتفاق نہ رکھنا اپنا فریضہ گمان کرتے ہیں ۔گویاٗ راج' نے نصیحت سے ہی کام نہ لیا بلکہ جھنجھوڑا اور چیخ ماری کہ اٹھ ہوش کے ناخن لے بقول جگر ۔

للہ جگر ! اب تو ذرا ہوش میں آجا
تنگ آ گئے احباب تری بے خبری سے

یہ حقیقت ہے کہ جب سے ہردیہ سمراٹ کے وزیر اعظم کیلئے انتخاب کا اعلان ہوا ہے ہندوستان میں بڑی ہلچل سی مچی ہے بلکہ ایک طوفان بد تمیز نے سر اٹھا رکھا ہے کہ مودی اپنے کو اس عہدہ کیلئے منتخب ہونے کے بعد خوشی میں اس قدر سرشار و بے ہوش ہے کہ خود کا احساس نہیں کہ وہ عرش پر ہے یا فرش پر اور ایسے ایسے ہفوات وہذیان کا شکار ہو رہا ہے کہ خود احباب بھی تنگ آ گئے۔ وہ عناصر

جو جمہوری و عددی طاقت کے فہم میں خطا کے شکار ہوگئے وہ اس امر پر اپنے عزم بالجزم کی مہر ثبت کر چکے ہیں کہ اپنے ہردیہ سمراٹ کو وزیر اعظم کی کرسی تفویض کرکے دم لیں گے یہ ان کی صریح غلطی اور فکری گمراہی ہوگی کہ وہ ایک ایسے فرد کو اس ذمہ دار منصب کے لیے موزوں خیال کر رہے ہیں جس کا دامن ماضی میں ہی معصوموں کے خون سے رنگین ہے۔اب ہندوستانی عوام اپنی صواب دید کا اظہار کرے کہ کیا ایسا شخص اس کا اہل ہے؟مگر افسوس ! مذہبی جنون اور ہندوتو کا ایسا طوفان کھڑا کیا گیا کہ عوام کی تمام فکری لیاقتیں اس کی رو میں خس و خاشاک کی طرح بہہ رہی ہیں اور بجائے ہوش و حواس کے مزید مدہوشی اور فکری مغلوبیت کا پیہم اظہار کیا جا رہا ہے یہ نہ تو ہندوستان کے تہذیبی اقدار کے موافق ہے اور نہ ہی معقولیت و انسانیت کا تقاضہ بلکہ یہ تو تمام تر ہلاکت و بربادی سے یاری و دلداری کی علامت ہے پر افسوس ! آج کے عظیم بھارت کا ایک بڑا طبقہ اسی کو مستقبل میں بھارت کے لیے مناسب خیال کر رہا ہے۔اس کو کیا نام دیں بے حسی ، غفلت یا پھر ہندوتو کا طوفان عظیم ؟

راج کی نصیحتیں کاش ان غفلت شعاروں کے دل میں اتر جائے جو کسی اور مجہول سرگرمیوں کے حامل اور تخلیق کار ہیں ان کو تو صاف شبیہ کے مالک اور عدم تشدد کے نشان موہن کرم چندر گاندھی کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہئے اور ہندوتو کی بات ترک کرکے انسانیت کی گفتگو کرنی چاہئے کیا موہن کرم چندر گاندھی کے

ہندوستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا؟ کیا اقوام عالم میں بھارت اپنی پاک جمہوریت کی ثناخوانی کرسکے گا؟ اور کیا ہم تمام اہل وطن باہم یگانگت کے گیت گنگنا سکیں گے؟ شاید مجھ کو میرے سوالوں کا کوئی نقطۂ جواب ہو لیکن راج کے اس پند و نصیحت اور موعظت سے مودی جھنجھلاہٹ میں کہہ رہا ہوگا بقول غالب

کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح

مگر یہ حقیقت ہے کہ مودی ان تمام افکار و نظریات کو اپنے لیے نامناسب خیال کرتے ہیں جو اس کو انسانیت کے اسباق دے رہے ہوں بلکہ اس کا مطمح نظر ازل سے یہ رہا ہے کہ وہی افکار و نظریات تسلیم ہے جو کہ اس کو فرقہ واریت پر ابھاریں اور تشدد کے راہ کو ہموار کریں۔

مرا عشق بھی کہانی، ترا حسن بھی فسانہ

ہندوستانی مسلمان آزادی ملک کے بعد سے اب تک کشمکش کے شکار رہے ہیں اور قابل حیرت امر تو یہ ہے کہ یہ کشمکش عجیب نوعیت کی رہی ہے گویا ایک لاغر جسم ہیں جس پر ہزاروں جراثیم کا یکبارگی حملہ ہو رہا ہے اب یہ مسلمان ان ہزاروں جراثیم کا کس قوت مدافعت کے ذریعہ اپنا دفاع کریں یہ ہندوستان کے مسلمان جنہوں نے اپنی غفلت و بے حسی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ آج خود اقوام عالم میں اپنی وضع کردہ خو کی وجہ سے غفلت و بے حسی کے بدترین نشان ہو چکے ہیں آج تک نہ تو اپنی مخفی روح کی تابندگی اور تابانی کا اظہار کیا اور نہ ہی اس ذیل میں کسی عزم و ارادہ کا عندیہ پیش کیا ہے بلکہ ازل سے اپنی غفلت، بے حسی اور احساس کمتری کی بدترین اور منحوس تصویر کی رونمائی کی ہے۔اس قوم کو جس سب سے موذی مرض نے اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے وہ کور تقلیدی کا مرض ہے جبکہ تقاضائے پیہم تو یہ ہے کہ شاہراہ حیات کا ہر لحظہ خودی کی بیداری کا اعلان کرتا ہے لازماً بیداری اور خودی کے ادراک و شعور کا مظاہرہ کریں لیکن افسوس! ذکاوت حس مغلوب ہو گئی ہے اور جس شعور و فہم کا یقین تھا وہ ہر آن مشکوک ہوتا جارہا ہے۔قوم کی ابتری اور زبوں حالی کا جو بادل برسوں سے سایہ کئے ہوا ہے وہ تو خود اپنے اعمال کی دین ہے۔اب کوئی کیا کرے کس سے اس ستم پیہم کا شکوہ کرے، کس

کو اپنی فغاں کا سوز سنائے اور کس کو اپنا داغ دل دکھائے خدا ان کی بے حسی اور غفلت کو کسی درد اور طوفان سے آشنا کردے جو آنکھوں سے آنسو بہادے اور خیمہ ہائے غفلت کی طنابوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے بقول جگر ۔

یا رب ہجوم درد کو دے اور وسعتیں
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں

قوم مسلم کا تو اب مزاج ہو چکا ہے کہ ہندوستان کی آزاد فضا میں بھی تقلید اور اس تقلید کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کو قعر مذلت تک پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اس کور تقلیدی کے کیا مضمرات اور مضر اثرات ہیں آیئے ! ذرا ان دل خراش اور حواس گم کر دینے والے احزائے ترکیبی جو کہ اس کور تقلیدی کا لازمہ ہیں ،کا جائزہ لیں قوم مسلم دن بہ دن پستی اور پست ہمتی کا شکار ہوتی چلی گئی جب کہ خدائے ذوالجلال نے اس قوم کو طوفان سے نبرد آزمائی کا حوصلہ دیا تھا اور اس عظیم جمہوری ہندوستان میں جو کئی سالوں سے ان کی عظمت و سطوت کی داستان پارینہ چلی آرہی ہے وہ اسی حوصلہ اور بلند ہمتی کی مظہر ہے جو کہ تحفہ آفاقی کی طرف اشارہ کررہے ہیں ، قوم مسلم اپنی عظمت رفتہ کیلئے آج نہ تو فکر مند ہے اور نہ ہی اس فکر کے ضمن میں اسے کوئی دل چسپی ہے اور اس قوم کو کیا ہوا کہ انتم الاعلون کے پیام سروش کو بھی فراموش کر ڈالا ! لیکن صورتحال مزید اس ملت مرحومہ کو بیدار کرنے کی ناکام کوشش کر

رہی ہے مگر اف ! یہ تغافل کیشی اگر جاگ گئی تو یقینا نصرت خداوندی قدم چومنے کیلئے بیقرار و مضطر ہے اس قوم نے اس جنوں ، عشق ، دیوانگی سے رشتہ توڑ لیا ہے جس نے اوج ثریا سے ہم کلامی کا اعزاز بخشا تھا یہ متذکرہ امور کیا تھے ؟جواب وہی ہے کہ ہم نے اپنے آبائی اور موروثی عزم و حوصلہ اور بیدار مغزی سے کنارہ کش ہو گئے ہیں ۔ قوم کی حالت بدتر ہوتی جارہی ہے اورخدا جانے کب تک حالت دگرگوں کا لامتناہی سلسہ جاری رہے گا اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ اس قوم کے ہر ایک عنوانات پر تنقید اور زخم نا رسا کی کوشش کی جارہی ہے مقدس و محترم عبادت گاہوں کو یک لخت مسمار کرکے تعظیم و تقدیس کو پامال کر دیا جاتا ہے ، محترم و معزز خواتین اسلام کی چادر عفت کو چھین لی جاتی ہے اور معصوم ملت کے شہزادوں کو نیزوں پر بلند کر دیا جاتا ہے یہ تو اب اس عظیم جمہوریت کے وہ افراد جن کو اپنی نام نہاد اکثریت کا گھمنڈ اور رشک ہے ، کی فطرت ثانیہ ہوچکی ہے ،تاریخ سے کھلواڑ اور عظمت رفتہ کا استہزاء تو بہت دور کی چیز ہے عوام تو عوام جو ہوٹلوں ، ٹرینوں اور بسوں میں بھی اس چھیڑ سے باز نہیں آتے ان کی کیا گفتگو ملک کے ذمہ دار افراد بھی اس سے دل لگی موزوں خیال کرتے ہیں ۔

راہل گاندھی اس خاندان کے چشم وچراغ ہیں جس نے ملک کی ہر قدم پر خدمت کو اپنا فریضہ تصور کیا ہے بڑی بڑی قربانیاں نذر کی ہیں اور ملک کے خلاف اٹھنے

والی تمام سرخ آندھیوں کو خاموش کر دیا ہے ان کے بڑوں نے ہمیشہ اتحاد و اتفاق اور ہر مذہب کے احترام کو یقینی بنایا ہے اور کبھی بھی تاریخ سے تعریض نہ کی ہے لیکن راہل گاندھی نے اپنی دھن میں آ کر ایسا کہہ گئے جو کم از کم ان کے لئے بالکل بھی زیب نہیں مودی جیسے بدنام زمانہ کو حضرت اورنگ زیب سے تشبیہ دینا مودی کیلئے تو فخر و رشک، ہو سکتا ہے حضرت اورنگ زیب کیلئے ایک توہین اور قابل تضحیک امر بلکہ ایک ایسا الزام جس کا کسی بھی طرح سے بے بنیاد ہونا طے ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ملک و قوم کے مفادات کو ترجیح دی ہے دنیا جانتی ہے کہ انہوں نے خود اپنے خاندان سے اس وجہ کر علم بغاوت بلند کیا کہ ان کے خاندان کے افراد قوم کی جمع پونجی کو بے راہ بے دریغ اڑا رہے تھے اور اپنے والد کو اس وجہ سے قید میں ڈال دیا تھا کہ قوم کی کمائی سے عشق و جنوں کے نشاط نہ بنائیں۔بلکہ انہوں نے ہر قدم پر ملک کی سالمیت و تحفظ کو مسلم الثبوت بنایا اور ہر مذہب کے احترام کو فریضہ تصور کیا۔ملک کے شہزادہ کا اپنا یہ زعم ہے یا پھر یہ بھی ہندوتو کے طوفان میں اپنے وجود کو بہتا ہوا محسوس کر رہے ہیں جبکہ وزیر اعظم کا کچھ دنوں قبل ہی ایک بیان آیا تھا کہ مذہبی جنون ملک کی سالمیت کیلئے خطرہ ہے لیکن شہزادہ کا پھر یہ کہنا کہاں تک درست ہے ؟بڑی حیرانی ہوتی ہے یہ دیکھ کر ایک ہی سیکولر افراد کے یہ دو متضاد پہلو ہیں کیا شہزادہ کا یہ کہنا درست ہے ؟جبکہ وہ اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ ملک کی سالمیت بہت بڑی چیز ہے یہ تاریخ سے نا واقفیت

نہیں ہے کہ ایک عظیم خادم ملک و قوم سے ایک ظالم ،خونخوار اور آدم خور کی تشبیہ دی جائے اور یک لخت ان کی خدمات کو فراموش کرکے اس مر کی تصویب و تائید کی پر زور کوشش کی جائے کہ وہ عظیم خادم نہیں بلکہ انسانیت کے دشمن تھے ۔یہ بیان خود شہزادہ کیلئے سوالیہ نشان بنا ہوا ہے کہ کیا وہ خود سیکولر ذہنیت کے حامل ہیں ؟کیا انہو ں نے خود تاریخ کا مکمل مطالعہ کر رکھا ہے ؟ضرورت یہ ہے کہ تاریخ سے چھیڑ چھاڑ کر نے سے قبل اس کے صفحات کے گرد جھاڑ بھی لیں ۔

قوم مسلم تو مائل بہ زوال تو ہے ہی اس کو نہ تو کوئی بیدار کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ احساس دلا سکتا ہے کہ تیری خودی و ہوشیاری بھی کوئی شے ہے جس کی ہر ایک ذی عقل کی تلاش تھی وہ تو یکسر مفقود ہے ناصح و واعظ نے بھی یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ ع

مرا عشق بھی کہانی ،ترا حسن بھی فسانہ

یہ ربط وضبط یہ ایں برہمی معاذاللہ

یوم جمہوریہ کی رنگارنگ ثقافتی تقریب کی جب جھانکی نکل رہی تھی تو پورا ملک تالیوں اور مسکراہٹوں سے استقبال کر رہا تھا خوشی و مسرت کا سلسلہ لامتناہی تھا لیکن اسی تالیوں ،مسکراہٹوں اور خوشی و مسرت کو دفعتا مرض ناگہاں نے آدبوچا اور بجنے والی تالیوں اور مسکراہٹوں کو روک لیا گیا بعض شریک جہان عیش و نشاط کے چہرے پر درد اور چبھن کی لکیریں صاف طور پر محسوس کی گئیں اور بعض نے برجستہ اپنے درد و چبھن اور رنگ میں بھنگ کی کلفتوں کا اظہار بھی کر دیا آخرش ان تمام بے کیفی ،حزن وملال کی وجہ کیا ہے ؟کیا ہوا کہ تالیوں اور مسکراہٹوں کو روک لینا پڑا ؟واقعہ یہ ہے کہ عیش و نشاط اور مسرتوں پر برق اسوقت گری جب ان گرگ صفت شرکائے جہان عیش ونشاط کو شیر کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس شیر کی دلاوری ،جرات اور عزیمت کی زریں تاریخ کی ایک جھلک دیکھنا پڑا تھا کیونکہ فی الحقیقت شیر کی آمد آمد تھی اور گرگ ظالم نے اس سے خوف زدہ ہو کر دم دبا کر بھاگ جانا مناسب سمجھا بناء بریں تالیوں ،زمزمہ مسرت ،مسکراہٹوں اور قہقہوں کے طوفان ہو شربا میں خلل واقع ہوا۔

ہمارا یہ ملک جمہوری ملک ہے یہاں ابتداء سے ہی آپسی الفت و یگانگت اور

مساوات کی ایک وسیع دنیا آباد رہی ہے اورجب 'بیگانگان وطن 'اور لونگٹ الاپچی کے غاصب وظالم تاجر کا ناپاک تسلط قائم ہوا تو تمام باشندگان ارض ہند نے اتحاد و اتفاق کی ایک عظیم مثال قائم کرکے ان غاصبوں کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور چشم فلک نے یہ منظر بھی بڑے تحیر و استعجاب سے دیکھا کہ یہ ظالم بھیڑیئے دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے کہ جن کی حکمرانی کا سکہ چلا کرتا تھا۔ ملک کی آزادی کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں نذر کی ہیں کہ جن کا تصور بھی ہماری نسل نو کے لئے ایک امر محال ہے خانقاہ میں 'حق اللہ 'کے نعرہ پیہم اور' تصور جاناں' میں محو رہنے والے عاشقان پاک طینت اور منبر و محراب کے امام خطیب شمشیر بر ہنہ لے کر ان ظالموں کے خلاف صف آراء ہو گئے ، دھرم شالہ اور 'مٹھ' میں تپسیا میں مصروف عمل رشی بھی ان فرنگیوں سے مقابلہ کرنے میدان میں کود پڑے بنارس ،الہ آباد ،کاشی ، متھرا اور ملک کے طول و عرض میں قائم ہزاروں مٹھوں کے لاکھوں رشیوں نے اپنی جانیں مادر وطن کے تحفظ کی خاطر قربان کردیں ، مرکز علوم معارف درس گاہ ولی اللہی کے ہزار ہا ہزار جیالوں نے اپنی جانیں قربان کرکے گیتی ہند کے برگ وبار میں شادابی اور جاودانی کی روح پھونک دیں الغرض بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک نے ممکن البساط خدمات ملک کی آزادی کیلئے وقف کر دیں اور آپسی اتحاد و اتفاق کی ایسی مثال قائم کی کہ ہر ذرہ گیتی چمن اخوت و مروت کی تصویر تھا اسی ملکی خدمات کے ذیل میں شیر میسور ٹیپو سلطان شہید کا نام آب زر سے نوشتہ

دیوار ہے۔ملک کی صدیوں پرانی تاریخ اس امر کی غماز ہے کہ شیر میسور نے اس وقت انگریزوں کیخلاف علم جہاد بلند کیا تھا جب طائران فضائے جد و جہد اپنی حواس کھو بیٹھے تھے اور پرواز سے یکسر انکار کر دیا تھا، حوصلے منتشر ہو چکے تھے، قافلہ تھک گیا اور اہل قافلہ نے بھی اپنی کوتاہ پائیوں کا شکوہ کر رہے تھے عین اسی وقت ٹیپو سلطان نے پست حوصلہ کو تابانی دی، متحرک کیا اور تھکے ہوئے قافلہ میں ایسا شوق جہاد پیدا کیا کہ یہ اپنی کو تاہ پائیوں کے شکووں کو بھی بھول گئے۔

ہمارا یہ ملک جس کو اپنی عظیم جمہوریت کا افتخار ہے اور اس افتخار پر سدا نازاں بھی ہے مگر افسوس اس جمہوریت کو الو کی شب ہنگامی کی نحوست کا اثر ہو چکا ہے سیاہ شب میں سات سمندر پار سے آیا ہوا 'بوم فرنگ' ابتدائے سحر میں مرغوں کی اذان سے قبل ہی اپنا راگ الاپ دیا اور اسی ابتدائے سحر میں بوم فرنگ کی سحر ہنگامی کی ایسی نحوست واقع ہوئی کہ چمن زار کا مرغ آپس میں الجھ گیا اور آپسی نفرت و عداوت کی ایک فضا قائم ہو گئی کہ ایک ہی چمن کے مرغ دو الگ الگ مکروہ فکر و خیال کے حامل ہو گئے اسی مکروہ فکر و خیال کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے کو ملا جب یوم جمہوریہ کی تقریب میں شیر میسور کے نام اور ان کی خدمات سے منسوب جھانکی برآمد ہوئی۔ وہ افراد جو ازل سے ہی آپسی دشمنی اور عداوت نیز فضول کی نکتہ چینی کو ضروری خیال کرتے ہیں ان کے

پیٹ

میں مروڑ پیدا ہوگیا اور ایک عظیم مجاہد آزادی کی خدمات پر سوالیہ نشان بھی کھڑا کیا حتی کہ سوشل نیٹ ورک پر خوب ہنگامہ بھی کیا کہ ان کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی جانیں تلف ہوئیں۔جانیں کیونکر تلف ہونے لگیں ؟اگر جانیں قوم وملک کی خدمت میں تلف ہوئیں تو سبحان اللہ ! کیونکہ ارض ہند اسی وقت لالہ زار ہوگی جب ملک کا بچہ بچہ اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ بھی نذر کرنے سے دریغ نہ کرے لیکن ملک کے شر پسندوں کے معنی ہر گز یہ نہیں تھے بلکہ انھوں نے یہ معنی مراد لیے ہیں کہ شیر میسور خواہ مخواہ جنگ لڑ کر لوگوں کی جانیں تلف ہونے کا سبب بنے راقم براہ راست ان لوگوں سے یہ سوال کرتا ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے جب کہ تاریخ کے صفحات ان کی خدمات جلیلہ سے بھرے پڑے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ میں ہوں ان خدمات کا گواہ جن کا تم انکار کر رہے ہو۔

ذرا خیال کیجئے کہ کیا یہ وہی ہندوستان ہے جہاں مجاہدین آزادی کی خدمات کا اعتراف اوران کی تئیں خراج عقیدت پیش کیا جاتا تھا ؟ابھی چند دنوں قبل جو واقعہ اوردل کے لخت لخت کو ٹکڑے کردینے والا سانحہ پیش آیا اس سے یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ فرقہ واریت اپنی جڑ مضبوط کر چکی ہے اور اس رو میں تمام تر حقیقتوں کو پامال بھی کیا جا چکا ہے اگر ٹوئیٹر پر ہونے والی بحث کے ایک ایک حرف کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ ملک کا ایک بڑا طبقہ کس مرض نا

گماں کا شکار رہو چکا ہے مگر اطمینان کی بات یہ ہے کہ بعض ایسے بھی ہیں جو ملک کے عظیم جیالوں کی عظمت کا ادراک رکھتے ہیں اور انھیں سچا خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں۔

آخر یہ ہنگامہ اور لفظی جنگ کیوں شروع ہوئی ؟ملک کا ایک بڑا طبقہ ہزاروں جان اور معصوموں کے قاتل اعظم مودی کو اپنا حقیقی ہیرو سمجھنے لگا ہے اور یہ بھی خیال رکھتا ہے جب تک ملک کا وزیر اعظم مودی نہیں ہوتا ان کے خیال کے بموجب ہندوستان میں ہندوراشٹر کا قیام ممکن نہیں لیکن یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ ملک جمہوری ہے اور جمہوریت کی بحالی ہی اس خطہ میں امن وسکون کی ضامن ہے اگر ہندو راشٹر کا تصور ان کے دل ودماغ میں کلبلا رہا ہے تو ان تصورات کو بدل دیں کیونکہ ہزاروں افراد نے اپنی جانیں جمہوریت کی لئے ہی قربان کی تھیں۔یہ خام خیالی ہے کہ ملک کا اگلا وزیر اعظم مودی ہوگا کیونکہ اب ہندوستان بھی ایک عظیم سیاسی انقلاب کی زد پر میں آچکا ہے یہ طے ہے کہ مودی فوبیا محض شدت پسند کے اندر ہی رہ کر اپنے نقطہ عدم کو پہونچ جانے والی چیز ہے اور وہ دن قریب ہی تصور کیا جانا چاہئے جب مودی فوبیا کا سرشام جنازہ اٹھے گا اور دنیا محو تماشہ رہے گی۔

یہاں تک تو پہونچے وہ مجبور ہو کر

سمجھوتہ ایکسپریس میں بم دھماکہ کے کلیدی ملزم اسیمانند نے جب موہن بھاگوت کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو تمام ہندو شدت پسند افراد لرزہ بر اندام ہو گئے اور تمام حقیقتیں کھل کر سامنے آگئیں کہ ملک کے طول و عرض میں دہشت پھیلانے کی اصل ذمہ دار ہندوتو کے نشہ میں چور شدت پسند تنظیم آر ایس ایس ہے اور ملک میں جتنے بھی دھماکے ہوئے ہیں وہ اسی فکر مکروہ کا شاخسانہ ہے۔یقینا جب بھی کہیں دھماکے ہوتے ہیں تو فوراشک کی سوئی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کی طرف جاتی ہے کہ مسلمانوں نے اس فعل قبیح کو انجام دیا ہے جب کہ ہر بار مسلمانوں کا عمل حسن فکر قبیح کے حاملین کے سامنے آیا ہے کہ یہ نماز پنج گانہ ادا کرنے والے مسلمان اس ذیل میں صاف اور بے داغ شبیہ کے مالک ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ اسیمانند کے اس بیان سے آر ایس ایس کے خیمہ میں کھلبلی مچی ہے اور اس کی طنابیں ہواوں کے رحم و کرم پر ہوں گی۔

اسیمانند کا یہ انکشاف جہاں ایک طرف مسلمانوں کو معصوم ثابت کر رہا ہے تو وہیں آر ایس ایس کی ذہنیت ،فرقہ وارنہ سوچ اور مکروہ خیالات کی طرف اشارہ

بھی کر رہا ہے کہ ہندوستان بھر میں ہونے والے دہشت گردانہ واقعات اسی کی رہین منت ہے۔ دہشت گردانہ کاروائیاں ان کا مسلک ہے جنھوں نے آج تک یہ سمجھنے کی خطا نہ کی کہ ملک مین امن و آشتی بھی کوئی چیز ہے اور خوف وہراس کسی زہر ہلاہل سے کم نہیں یہ ہندوستان جیسے عظیم جمہوری ملک کی بد قسمتی ہی تصور کیجئے کہ جہاں گنگا جمنی تہذیب کا دھارا چلا کرتا تھا اور امن و آشتی کے درس دیئے جاتے تھے وہاں خوف وہراس، نفرت اور مذہبی منافرت کا طوفان عظیم تمام اقدار وخیالات کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جانے کا عزم کر رکھا ہے اور امن و آشتی کے درس کے بجائے آپسی فساد، قتل وخون کی داستان ہو شربا کے ابواب پڑھائے جارہے ہیں، سوامی اسیمانند جیسے ہزارہا ہزار افراد ہیں جو خود آر ایس ایس کے افکار وخیالات کو مکروہ قرار دیکر تغلیط کی ہے کہ آر ایس ایس جیسی انتہا پسند تنظیم ملک کے امن و سکون کو غارت کر رہی ہیں لیکن یہ ہمارا پیارا ہندوستان ہے جہاں تمام تلخ حقائق کو جام شیریں تصور کر کے حلق کے نیچے اتار لی جاتی ہیں۔

آر ایس ایس اور دیگر بھگوا تنظیمیں اسی وجہ سے قائم کی گئی ہیں کہ وہ بجائے امن و آشتی کے فروغ واحیاء کے دہشت، نفرت، خوف وہراس اور قتل وخون کی تمام سنتیں تازہ کریں جب کہ خود ملک کے وزیر اعظم، صدر جمہوریہ اور دیگر معزز افراد نے اس تلخ حقیقتوں کا ادراک اور بار بار اعتراف کیا ہے کہ مذہبی

شدت پسندی ملک کیلئے ناسور ہے اور جب تک اس شدت میں ملائمت کا عنصر نہ ہو امن وسکون کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔مذہبی شدت پسندی جن معنوں کو واضح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مذہبی ارکان اور امور پر سختی و مواظبت کیساتھ عمل پیرا ہو لیکن آج مذہبی شدت پسندی کے معنی قتل وغارتگری اور آپسی منافرت ہو گئے ہیں اور جس طرح مذہب اور گرنتھ کے نام پر بر صغیر کے اس بڑے خطہ میں منافرت ، بغض اور عداوت کو آر ایس ایس نے ہوا دی ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی مذہب کوئی بھی ہو منافرت اور بغض کے اسباق نہیں پڑھاتا بلکہ امن وسکون اور آپسی اتفاق و اتحاد پر زور دیتا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کیلئے رحمت بناکر بھیجا گیا اور آپ ﷺ کی تمام زندگی آپسی محبت و اتفاق اور انسانیت کی فلاح و صلاح میں گذری اور اپنی وصیت میں بھی امن کو ترجیح دی اور یہ چند کروڑ ہندوستانی مسلمان اسی پاک نام کے دیوانے اور غلام ہیں یہ چند کروڑ مسلمان امن کو ہی اپنی زندگی کا لازمہ قرار دے رہے ہیں۔
آر ایس ایس اور دیگر مذہب کو رسوا کرنے والی تنظیم واقعی ملک اتحاد اور قدم سے قدم ملاکر ملک کے مفاد کی راہ پر چلنے والی فکر کو مضمحل اور مسموم کر رہی ہیں اور یہ کامل وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ آنے والی نسلوں میں اس اقدام مکروہ کے باعث کسی نیک اور پاک اثرات کا انطباق نہیں ہو رہا ہے بلکہ

نفرت و عصبیت کی تخم ریزی ہو رہی ہے کہ برگ و بار میں ثمر تلخ کی امیدیں وابستہ ہو گئیں ہیں اور یہ بدیہی تصورات ہیں کہ آنے والی نسلوں میں آپسی منافرت اور عداوت کی ایک تاریک دنیا آباد ہوگی اور لازما ہندوستان گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ اور مسکن ہو کر بھی منافرت کا ایک مکروہ عالم ہوگا جہاں ہر طرف خون ہی خون ہوگا، لاشیں بے گور وکفن ہوں گی اور چہار سمت ویرانی ہی ویرانی ہوگی اور بالیقین مادر وطن کے لاکھوں فرزند اس کے خیال سے ہی زار زار ہوں گے کیا آر ایس ایس اور دیگر ہندوتوا نواز تنظیمیں جو کچھ کر رہی ہیں ان کے افعال اسمت مشیر نہیں ؟؟ہر ایک ہندوستانی کا یہی خیال ہے بلکہ تمنائے ازل ہے کہ دشمنوں کی نظر بد سے محفوظ ہو کر ایک ایسا ملک ہو جہاں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوں اور زمزمہ مسرت کے زیر وبم میں ہر شے مسرور ہو لیکن یہ سوال بھی سامنے کھڑا ہے کہ کیا آر ایس ایس اور دیگر انتہا پسند تنظیمیں اس کی تمنا رکھتی ہیں ؟؟ محض لفظی صفائی اور طعن و تشنیع سے اس مسموم فکر ووہم کو روکا نہیں جا سکتا بلکہ عملی اقدامات منتظر نفاذ ہیں ۔

بم دھماکے فرقہ پرستوں کی سرشت ہے جو ملک کے اتحاد کو پارہ پارہ کرکے طوائف الملوکی اور ہڑبونگ کی خواہش رکھتے ہیں اور یک لخت ہندوستان کی بنیادوں میں نقب لگا کر کمزور کرنا چاہتے ہیں ،کی مکروہ پالیسیوں کا ظا

ہری نتیجہ ہے اور ستم تو یہ ہے کہ اپنی غلیظ پالیسیوں کا ٹھیکرا مسلمانوں کے سر پھوڑتے ہیں۔جب کہ آج خود یہ واضح ہو گیا کہ بم دھماکوں کا اصل ملزم کون ہے۔ محض ایک ہی فرد کو مورد الزام ٹھہرا کر تالیاں بجانا زیب نہیں دیتا بلکہ ضرورت تو یہ ہے کہ اصل سچائی کو تلاش کیا جائے مگر ہندوستانی حکومت اور ہماری وزارت داخلہ اس ذیل میں ایک ہی نام جانتی ہے کہ وہی نام اس دہشت گردانہ کاروائیوں کا ماسٹر مائنڈ ہو گا جتنی بھی گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں وہ اس امر کی وضاحت کر رہی ہوتی ہے کہ وہ نام اس کام سے وابستہ نہیں مگر اف تغافل اور تجاہل عارفانہ ایسا تو نہیں کہ ہماری وزارت داخلہ فکری گمراہی کی شکار ہو گئی ہے اور محض ایک ہی امر کو اپنے دامن میں الجھا رکھی ہے کہ بم دھماکے کے ذمہ دار نام نہاد مسلمان ہیں راقم الحروف یہ جاننا چاہے گا آج جبکہ سوامی اسیمانند نے آر ایس ایس کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے جو کہ تمام تر حقائق پر مبنی ہے تو ان ہزاروں معصوموں کو کب قید و بند کی مشقتوں سے نجات ملے گی جو اپنے نا کردہ گناہوں کی سزا عقوبت خانہ میں گذار رہے ہیں آخر ان کو انصاف مل سکے گا جو آپ کی بے اعتنائی کے شکار ہو کر اپنی زندگی سے بھی عاجز ہو گئے ہیں ؟ خالد مجاہد ،طارق اور ان جیسوں ہزاروں اسیران زنداں کو انصاف ملے گا اب جب کہ تمام، تر حقائق نمایاں ہو گئیں ؟؟؟

ہیمنت کر کرے جیسے عظیم محب وطن کو ملک صدیوں یاد رکھے گا کہ ان کی بے لوث ملکی خدمات ، دلاوری اور جانبازی نے اصل مجرموں کو بے نقاب کیا ہے ہم تمام اہل ہند ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ اسیمانند جیسے افراد کی سفاکیت کا علم ہوا کہ رام نام کے پجاری ایسے بھی ہو سکتے ہیں ۔اسیمانند کا اقبال جرم اور پھر اس حقیقت کا انکشاف کہ آر ایس ایس فرقہ واریت کی آگ میں ملک کو جھونک رہی ہے یہ امور سنسنی خیز بھی ہیں تو آر ایس ایس کی حقیقت بیانی بھی ، عافیت ہے کہ دیر سے ہی سہی مکروہ پروپیگنڈے کا پردہ فاش تو ہوا گرچہ تجاہل و تغافل کے ساتھ ہی ہو بقول جگر ؎

تجاہل ، تغافل ، تبسم ، تکلم یہاں تک تو پہونچے وہ مجبور ہو کر

غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

انسداد فرقہ وارانہ بل کے التوا اور غیر معینہ مدت تک کی تاخیر سے ایک بار پھر ہندوستان جیسے عظیم جمہوری ملک کی جمہوریت پر سوالیہ نشان لگ گیا ہے اور وہ معزز سیاسی قائدین جو سیکولر ہونے کا دعوی بر سر راہ کرتے ہیں ،کا غیر ، سیکولر چہرہ مسلمانان ہند اور اپنی نوائے سروش اور خودی سے یکسر محروم چند کروڑ مسلمانوں کے سامنے نمایاں ہوگیا کہ لاکھ دعووں اور تسلی آمیز جملوں کے باوجود دل میں منافقت کی ایک مکروہ دنیا آباد ہے اگر وہ سیاسی قائدین جو خود کو سیکولر ہونے کے مدعی ہیں آخرش کیوں عین وقت میں نوائے مکروہ کے ہمنوا ہو کر انسداد فرقہ وارانہ فساد بل کے ملتوی ہونے کے سبب بنے ؟؟ وجہ صاف اور بالکل عیاں ہے کہ جب تک ان نام نہاد صحرائے عرب کے ریگزاروں سے آنے والے اور بحر ہند کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہونے والے پردیسی کو کسی فریب میں نہ رکھا جائے تب تک کسی کی بھی سیاسی روٹی پک نہیں سکتی ،کانگریس پھر کوئی دوسری سیاسی پارٹی جو ان غریب پردیسیوں سے تعبد و تعشق کا اظہار کرتی ہیں، ان کے غیر سیکولر ہونے کی قلعی کھل گئی اور یہ بھی بالکل صاف ہوگیا کہ اقلیت بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کو لیکر کس قدر سنجیدہ اور متفکر ہیں ۔رہی بات بھا

جپا اور دیگر بد عنوان پارٹیوں کی تو وہ عیاں ہی ہے کہ فرقہ پرستی کی کھلی مدعی جماعت کیونکر سیکولرزم ہونے کی باتیں کریں۔ ان پارٹیوں کو تو محض ایک ہی ایشو اور ایک ہی نکتہ پر عمل پیرا ہونا ہے خواہ ملکی اتحاد کا کیوں نہ جنازہ اٹھ جائے اور ہنستے کھیلتے ہوئے ہند کا شیرازہ بکھر کر کیوں نہ رہ جائے ان جماعتوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں اور یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ ان کھلے منکروں کو کیونکر گہوارہ ہند کی شیرازہ بندی کی فکر لاحق ہونے لگی ؟؟اور کیوں اتحاد و اتفاق کی اقرار کرنے والی ہوں ؟؟

ملائم سنگھ اور اسکی حکمراں جماعت نے ہر بار مسلمانوں کے ووٹ سے ہی اقتدار کی کرسی حاصل کر پائی ہے اور یہ جماعت ہمیشہ مسلم نوازی کا دعوی بھی کرتی رہی ہے لیکن چند ایام بلکہ اسی سال اس جماعت نے جس کھلی منافقت کا اظہار کیا ہے ہو بالکل قابل دید اور حیران کن ہے ، مظفر نگر دن رات جلتا رہا اور ہزاروں جانیں اس وجہ سے قربان ہو گئیں کہ مدعیان حفظ و نگہداشت نے مکمل بے اعتنائی برتی ، مظفر نگر کے مسلم باشندگان اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی اور اپنے عزیز و اقارب کی لاشوں کی تدفین تک کو ترس گئے کہ جن کو فرقہ پرستی کی نذر کر دیا گیا اور پھر جب یہ خانماں برباد راحتی کیمپوں میں پناہ گزیں ہوئے تو ہر طرح کی ظلم و ستم اور بے مروتی کی سنتیں تازہ کر دی گئیں ، بھیک مانگنا کس کو کہتے ہیں کشت ہندوستان کہ جن کی زندگی کی

بہاریں اسی کی فصل بہاراں کے شمار کرنے میں گذر گئی ، کو بتلا دیا گیا کہ زندگی کی و یرانی کیا ہوتی ہے اور جب تک فساد زدگان کو زندگی اور موت کی کشاکش کا حقیقی ادراک نہ ہو سکا تب تک سیکولر ہونے کی مدعی جماعت ستم ظریفیوں سے لطف اندوز ہوتی رہی ہاں مگر اظہار افسوس کی کھلی ہوئی منافقت کا پیہم اظہار ہوتا رہا الغرض جب تک مظفر نگر جیسے محبت نگر میں مکل خون مسلم کی ہولی کھیل نہ لی گئی ، اپنے گوشہ عافیت میں ہی رہنا غنیمت تصور کیا مظفر نگر کے ہولناک اور خونچکاں سانحہ سے ذرا قبل پرتاپ گڈھ میں ہونے والے ظلم و بربریت کا تصور کیجئے کہ محض اقتدار کی ہوس کے نشہ نے ایک معصوم اور ایماندار خادم وطن ضیاء الحق کو شہید کر دیا اور یہ نام نہاد سیکولر پارٹی لفظی دفاع کر تی رہی ، ہنگامے ہوئے تو جبرا راجہ بھیا جیسے بدنام زمانہ کو وزارت سے سے بے دخل کر دیا لیکن جب ہنگامہ ٹھنڈا ہوا اور لوگوں کی توجہ مظفر نگر کی طرف مبذول ہو گئی تو بڑی سبک روی کیساتھ اپنی وزارت میں اِس بدنام زمانہ کو شامل کر لیا اور اپنی اس دا نشمندی اور احتیاط پر خود ہی پیٹھ تھپتھپا لی اور سمجھا کہ ہماری بزدلانہ حرکتوں کا علم گرچہ ہو رہا ہے مگر ہم نے ان حرکتوں پر اقتدار کے نشہ کی مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی ہماری اس جرات پر گرفت نہ کر سکے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اقتدار کا نشہ بھی بڑا عجیب ہوا کرتا ہے بلکہ یہ نشہ اقتدار اپنا ایک جہاں آباد رکھتا ہے کہ جہاں کسی کی مداخلت کا خوف نہیں ہوتا ہے لیکن یہ خیال کرنا ضروری ہے کہ

منافقت لاکھ پردوں میں چھپی رہے، عیاں ہو کر ہی رہتی ہے اور ہو بھی کیوں نہ کہ منافقت کی سرشت عیاں ہونا ہے۔ اس نام نہاد سیکولر جماعت کی کھلی ہوئی منافقت کو دیکھئے کہ مظفر نگر میں فسادزدگان تمام تر سہولتوں سے یکسر محروم دوآبہ کی خون منجمد کر دینے والی سردیوں سے نبرد آزمائی کر رہے تھے تو یہ جماعت چند میلوں دور واقع سیفئی میں جشن منا رہی تھی یہاں لوگ سردیوں کو مات دے رہے تھے تو وہاں باپ بیٹے حسن کے شراروں میں سوختہ جاں تھے، یہاں زندگی ایڑیاں رگڑ رہی تھی تو وہاں زندگی خود حسن شعلہ نما پر قربان ہو رہی تھی اور یہاں درد، تکلیف کی چیخ و پکار اور آنسو تھے تو وہاں ساز و آواز اور حسن و موسیقی کا غلغلہ ہوشربا۔ آخر یہ کیا ہے؟ یہ کھلی ہوئی منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اقتدار کی حصولیابی کا شوق اور پھر دعوی اتحاد نے ان کو گرچہ صحرائے عرب کو بھٹکتے ہوئے مکینوں کا غم گسار بنا دیا تاہم ان کا یہ شوق فراواں کہ فریب دیکر رکھا جائے اور اپنا الو سیدھا کیا جائے یہ ان کی سراسر حماقت ہوگی۔
اس سیکولر جماعت کا دعوی اتحاد اور پھر یہ منافقانہ حرکتیں کس امر کی طرف مشیر ہیں اگر دوسری جماعت ان حرکتوں کا ارتکاب کرتی تو بات دیگر تھی تاہم دل کو لخت لخت کر دینے والا واقعہ یہ رونما ہوا کہ مسیحا ہی ہماری جانوں کا دشمن بن بیٹھا اور دشمنوں کی سازشوں میں شریک ہو گیا۔ راقم بڑی

حیرانی کا شکار ہوتا ہے کہ یہ منافقت کیونکر ظاہر ہوئیں ؟ان وعدوں کا کیا ہوا جو اپنے انتخابی منشور میں کیا تھا ؟ان اعلانات کو کس کی نظر لگ گئی جو ووٹ کی بھیک مانگتے وقت اس سیکولر جماعت نے کیا تھا اف ! یہ مکروہ حرکتیں کیونکر واقع ہوئیں ہم تو اپنا دل اس وجہ سے دے بیٹھے تھے کہ وہ اپنے اخلاص میں سچا ہے لیکن یہ کیا ؟جگر بھی عجیب آدمی تھا کیا خوب کہہ گیا ع

دل دشمناں سلامت ،دل دوستاں نشانہ

ہندوستانی مسلمان کی زندگی اور پھر سیاسی زندگی صبح آزادی اور تقسیم ہند کے وقت ہی سے تاریکیوں اور تیرہ شبی کی شکار ہو گئی کہ ان کو آج تک نہ امید زیست کی شمع فروزاں نظر آئی ہے اور نہ ہی سیاہ شب میں کوئی قائد مل سکا جو اپنی راست قیادتوں کے ذریعہ تیرہ شبی میں نئی راہ تلاش کرکے اپنے متبعین کو منزل تک لے جائے ۔ایک تو کورانہ تقلید اور دوسرے سیاسی بصیرت کے فقدان نے صحرائے عرب کے بھٹکتے ہوئے مکینوں کو راہ زندگی سے دور کر دیا اور اب ایک ایسا قافلہ بن چکے ہیں کہ جس کا نہ تو کوئی قائد ہے اور نہ ہی راہ نما بلکہ بے نالہ می رود جرس کاروان ما کی کھلی ہوئی تصویر ہیں ۔عرب کے ریگزاروں میں بھٹکنا ایک زندگی تھی کہ جس پر ہزارہا ہزار زندگیاں قربان ہیں لیکن اس گیتی ہند میں محض ایک زندگی ہزار کلفتوں کی شکار

ہو کر تڑپ رہی ہے یہ کلفتیں دامن گیر ہر گز نہ ہوتیں اگر ہم میں سیاسی بصیرت او
ربدلتے ہوئے رجحانات کا صحیح ادراک ہوتا اور یہ ہمارا یہ قافلہ بھٹکتا نہیں بلکہ اپنے و قا
را ور تمکنت کا شہنشاہ ہوتا مگر اف ! یہ بد نصیبی ع
مگر ایک چشم شا عر ہے کہ پر نم ہوتی جاتی ہے
انسداد فرقہ وارانہ فساد بل وقت کی ضرورت او رایک اہم تقا ضا ہے کہ یہ گیتی چمن
اپنے ہی طائران نوا ساز کے خون سے رنگین نہ ہو او ریہ گیتی چمن بار بار ویرانی اور بد
حالی کی شکار نہ ہو او ریہ بل اس لیے بھی ضروری ہے کہ ملک میں مزید کشت و خون کی
ہنگامہ آرائی نہ ہو او رملک کی سالمیت محفوظ رہے مگر ہمارے ملک کی بد نصیبی ہے کہ
جو کام پل بھر میں ہو جانے چاہئے وہ صدیوں تک کے لیے التواء کے شکار ہو جاتے ہیں
اس بل میں سراسر اقلیت بالخصوص مسلمانوں کا فائدہ تھا کہ مسلمانوں کی جان و مال او
ردیگر املاک محفوظ رہے او رفرقہ واریت پر شکنجہ کسا جاسکے ہے کیونکہ ہندوستان میں
عموما فرقہ وارانہ فسادات کی نذر مسلمان ہی ہوتے ہیں او رسب سے زیادہ نقصان
مسلمانوں کا ہی ہوتا ہے لہٰذا اس کا نفاذ ضروری تھا لیکن سیکولرزم کے دعویدار ہی اس
کے نفاذ میں التواء او رتاخیر کے باعث بنے ہیں۔ یہ کھلی ہوئی منافقت نہیں تو اور کیا
ہے؟؟ مرزا غالب مرحوم جانے کیوں بار بار

یاد آ رہے ہیں اور ان کے اس شعر کو دہرا کر اپنے غم کو غلط کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہوں ۔

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

قدیم و جدید روایتوں کے امین فضیل احمد عنبر ناصری

شاعری احساسات اور کیفیات کے اس مجموعہ کا نام ہے جو زندگی کی اصل حقیقتوں کا غماز ہو، زندگی اور مقصود حیات کی طرف راست رہنمائی کر رہا ہو، ورنہ تو ایسی شاعری کی بھی گرم بازاری ہے جو نہ تو مقصود حیات کی طرف مشیر ہے اور نہ ہی زندگی اور عمرانی پہلو کے تلخ مضمرات کو آشکارا کرتی ہے بلکہ ہفوات اور ہذیان گوئی کی طومار ہے جو کہ خود ہماری تہذیب و اقدار پر ایک بد نما داغ ہے اور ادب کے زریں اصول کے سر تا سر منافی بھی۔ تاہم اس ہا ہی اور گرم بازاری میں ایک معتبر نام حضرت عنبر ناصری کا ہے جو اپنی شاعری، جذبِ دروں اور احساسات و کیفیات کے ابلاغ و اظہار سے اس کا تدارک کر رہے ہیں ساتھ ہی اپنی فکر مند شاعری سے ایک ایسی فضا تخلیق کر رہے ہیں جو قدیم رشتوں سے ہم آہنگ تو ہے ہی، جدید رشتوں کی بھی آئینہ دار ہے، معاً ان خطوط کی بھی نشان دہی کر رہی ہے جو حیات انسانی کا مقصود اور بالبداہت مطمح نظر ہیں ۔ گویا حضرت عنبر ناصریؔ قدیم و جدید دونوں روایتوں کے امین ہیں، انہوں نے ان ترقی پسند شعراء کو آئینہ دکھایا ہے جو مجہول سر مستیوں کے شکار اور خیالی پلاؤ پکانے میں بے فائدہ وقت کھو رہے ہیں ۔

غزلیہ شاعری ان حقیقتوں اور تلخ پسندیوں سے عبارت ہے جو انسانی زندگی کے ہر ایک درد کا احاطہ کئے ہوئے ہو ،یقینا اس کے موضوعات وسیع ترین ہیں اور بہت حد تک دل چسپ بھی تاہم اس میں ایسے امور بھی بروئے کار لائے جاتے ہیں جن سے اس وسعت کے باوجود تنگی کا احساس ہوتا ہے ۔ اور یہی پاکیزہ نفوس کے لئے یک گونہ بعد کا سبب بھی بنتا ہے، حضرت عنبر ناصریؔ ان ہی وسعت بیانی کی سچی تصویر ہیں۔ ان کی شاعری احساسات و کیفیات اور تہذیبی ورثہ کی قدردانی کی عکاس ہے ۔ان کا فن تمام تر ادبی نقا ئص اور فکری خامیوں سے پاک و صاف ہے ،ان کا لب و لہجہ شستہ اور سوز پر کیف ہے ۔اختصار کے ساتھ کہیے تو ان کی شاعری شاعرانہ نکات، زور تخیل اور تہذیب اسلامی کی آئینہ دار ہے ۔ حضرت عنبر ناصری عہد جدید کے ان شعراء میں شمار ہوتے ہیں جو اپنی قدیم روایتوں کو حرز جاں بنا کر جدت طرازی کے منازل روز بروز طے کرتے ہیں۔ حضرت عنبر ناصریؔ صوبہ بہار کے مشہور علمی وادبی ’’ خانوادہ ناصری‘‘ سے تعلق رکھتے ہیں جو سلوک و تصوف کا رمز شناس تو ہے ہی ، علم وادب سے بھی اس کا رشتہ اتنا ہی استوار ہے۔ اگر شوق و تصور کی شادکامی چاہئے اور تصوف و علم کی تلاطم خیزی کا ادراک تو حضرت عنبر ناصریؔ کی شاعری کا مطالعہ کرنا چاہئے کیوں کہ ان کی شاعری ان دونوں، راہوں کی جامع اور محیط ہے ۔ان کی شاعری اگر کشمکش حیات کا اظہار کرتی ہے تو قوم کی ابتری اور غفلت شعاری پر تازیانہ

بھی لگاتی ہے۔ان کی شاعری کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں روح اسلامی مکمل طور پر موجزن ہونے کے باوصف ادبیت کی چاشنی سے مملو بھی ہے۔ دیکھئے ذرا ان اشعار کی نمکینی ۔

نام سن کرکانپ جاتا ہے جواں شمشیر کا
شکوہ کرتا ہے شکستوں پر مگر تقدیر کا
کہتے کہتے واعظوں کا رنگ پیلا پڑ گیا
سننے والوں پر اثر کوئی نہیں تقریر کا

قوم مسلم کی پست ہمتی پر جرح کرتے ہوئے فقید المثال تشجیعی خطاب کیا ہے اور یہ خطاب خصوصاً زعمائے ملت کو ہے ۔

کام کرنا ہے تو بے باکانہ حجرے سے نکل
اہل ہمت کے دلوں میں کیوں ہو ڈر زنجیر کا
ہے جبیں سجدے سے خالی، پر یہ جذبہ دیکھئے
فکر ہے اکثر دلوں میں کعبہ کی تعمیر کا

یہ اشعار بھی حضرت عنبر ناصریؔ کے شاعرانہ قد اور مرتبہ کو ثابت کرتے ہیں»

کہ وہ کس بلند مرتبہ کے شاعر ہیں۔ بلاغت اپنے منتہا کو پہونچی ہوئی ہے، حقیقت کا ادراک اور عمرانی کشمکش کا جس مثبت پہلو سے اظہار کیا ہے وہ دیگر ہم عصروں میں پائی نہیں جاتی۔ خودی کا درک وشعور اقبال کا ایجاد کردہ ہو تو ہو لیکن حضرت عنبر ناصرؔی کی خودی بھی ارتقائی منزلوں کی تعیین کنندہ ہے، معلوم ہے کہ امیر کے در کی باریابی اور حاضری غرباء اور درویشوں کیلئے ہتک عزت سے کم نہیں پیغمبر ﷺ بھی یہ بات کہہ گئے ہیں بئس الفقیر علیٰ باب الامیر، امراء اپنی شان خسروانہ اور تخت امارت کے نشہ میں مدہوش ہیں اور غرباء اپنی غیور غربت اور قلندرانہ درویشی میں مگن۔ ایسا نہیں کہ درویش امراء کی دربار کی حاضری کو سعادت سمجھیں۔ حضرت عنبر ناصرؔی نے بطور تکملہ قطعی الثبوت لہجے میں کہا ہے کہ امراء ان درویشوں کو حقیر نہ جانیں اور درویش بھی ان امراء سے دوری بنا کر رکھیں، اور اپنی خودی کی پرورش کریں کہ یہی ہے شان قلندری۔

حضرت عنبر ناصرؔی جن کا اصل نام ' فضیل احمد ناصری ' ہے، برصغیر کی مشہور اسلامی تعلیم گاہ دارالعلوم دیوبند کے مستند فاضل ہیں، اردو، فارسی اور عربی کے ماہر لسانیات ہیں۔ تاریخ وسیر اور دیگر اسلامی علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں، ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ پختہ ہے، مدت سے مفتیان ادب کو یہ شکایت رہی ہے اور یہ کسی قدر مبنی برمحل بھی ہے کہ مدارس کے افراد اس فن سے نابلد ہی نہیں، اس سے سخت بُعد اور تنفر بھی رکھتے ہیں اور

اس کو شجر ممنوعہ قرار دے رہے ہیں، یہ غلط فہمی جانے کب پیدا ہوئی اور کیوں ؟ وجہ تو معلوم نہ ہو سکی، وجہ چاہے جو بھی ہو، حضرت عنبر ناصری نے جس شان استغناء کے سا تھ اپنے وجود کا اعلان کیا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ اردو شاعری کے باب میں ایک زریں اضافہ ہوا ہے بلکہ غلط فہمی کے شکار افراد کی خدمت میں ان کے فہم بے معنی کی خوبصورت تردید بھی ہو گئی ہے۔ دراصل غلط فہمی کے شکار افراد تنزویر نفسی کے شکار ہیں ورنہ یہ سوء ظن پیدا نہیں ہوتا۔ انھوں نے اپنی شاعری سے خواہ وہ غزلیاتی کیف وسرور میں ہو یا نظمیہ سنجیدگی میں، غلط فہم افراد کے وہم کو دور کرکے ایک مثبت راہ کی تعیین کی ہے۔ ان کی شاعری ''بت عریاں''''آئینہ سیما''''فتنۂ مہ رخاں'' اور ادائے ستمگر'' کی قصیدہ خواں نہیں۔ اور نہ فقط ''سوزش جگر'' ''دردجدائی''''نالۂ ہجراں' 'اور'' فغان مہجور'' کی سرمستیوں اور دل فگاریوں کی عکاس ہے، شاعر موصوف در حقیقت حیات اور مقصودحیات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور جاوداں خطوط کی سمت اشارہ، کیوں کہ یہ کسی پر مخفی نہیں کہ انسانی قدریں کس درجہ انحطاط اور زوال پذیر ہورہی ہیں عالم یہ ہے کہ آفاقی اسباق بھی بھلادیئے گئے۔ راقم یہ وضاحت ضروری تصور کرتا ہے کہ ان کی شاعری کے کسی بھی پہلو میں حسرت ویاس نہیں بلکہ راحت اور مسرتیں ہیں، ہاں البتہ غم اور درد ہے اوران کا غم غم قوم اور درد درد ملت ہے۔ زندگی کی کلفتوں کو وہ راحت گمان کرتے ہیں، ان کی شاعری اس سمت کو بھی واضح کرتی ہے اور یہ کلفتیں زندگی کو معراج عطا کرتی

ہیں یقیناً انھوں نے جس طرز فغاں کو اپنی شاعری کا سوز دیا ہے وہ نوائے سروش اختیار کر گیا ہے۔

تیرہ وتار رات ہے، منزل پہ کوئی جائے کیوں؟
خود گم ہے ہر بشر یہاں، رستہ کوئی بتائے کیوں؟
کہتے ہیں یاں فریب کو، عقل وخرد کی چوکسی
اپنوں سے سب کو بیر ہے غیروں کا غم اٹھائے کیوں؟
دنیا میں اب غریب کا، کوئی نہیں ہے غم گسار
جاکر کسی امیر کا دروازہ کھٹکھٹائے کیوں؟
دونوں ہی جب شریک ہیں بزم کے خوب وزشت میں
ہم دھوپ دھوپ کیوں چلیں وہ جائیں سائے سائے کیوں؟
حسن پرزور جب نہیں، عشق پرزور کیوں رہے
میری فغاں وآہ پر، بندش کوئی لگائے کیوں؟

یہ غزل کے وہ اشعار ہیں جو ان کے پرواز تخیل کے مظہر تو ہیں ہی، فن پر کامل

دسترس کی واضح تصویر بھی ہیں۔ غزلیاتی کیف و عنصر میں وہ ''بت عریاں'' کے مداح نہیں، تلاطم خیزیاں اپنے شباب پر ہیں لیکن ان کا اپنی فکر اور اپنی رائے کو مثبت انداز میں رکھنے کا سلیقہ قابل تحسین ہے۔ الفاظ ہلکے پھلکے ہیں تاہم معنی آفرینی کی حسین ترین جلوہ گاہ بھی۔ مغربی تہذیب سے تعشق و تعبد جو کہ اسلامی اور مشرقی تہذیب کا گلا گھونٹ رہا ہے اور اسلامی اقدار و تمدن کے دعوے دار جس شوق فراواں کے ساتھ اس کو اپنے ساتھ ضم کر رہے ہیں ایسے میں کون بیدار مغز ہے جس میں بے کلی پیدا نہ ہو، عنبر ناصر ی نے اپنے کلام میں اسی کا رونا رویا ہے اور اپنے سوز دروں اور حسرت پیہم کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے اس شق اور مبحث کو موضوعِ سخن بنایا ہے جس کو غلط فہم افراد شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجموعی تاثر یہ ہے کہ حضرت عنبر ناصری کی شاعری اسی صدا کو بلند کر رہی ہے جس صدا کے حامی غلط فہم افراد ہیں، ملاحظہ فرمایئے ذیل کے یہ چند اشعار

ے

عصر نو کی بیماری دور ہو تو کیسے ہو
ہر حکیم خوابیدہ، بند ہر شفا خانہ

دل لگی نہ تم کرنا مہ رخوں سے اے عنبر
ورنہ لٹ ہی جائیگا یہ بھی تیرا کاشانہ

جو کچھ ہے بس انھیں بت عریاں بدن میں ہے
باقی رہی نہ اب کوئی مستی شراب میں
عریانیت کا بھاؤ ہے اتنا بڑھا ہوا
کپڑے کی کمپنی ہے سدا پیچ و تاب میں

یہ وہ مختلف اشعار ہیں جو تہذیبِ نو اور برہنہ اقدار پر ضربِ کلیم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں کہیں تہذیب نو کی تضحیک و تنقیص ہے تو کہیں نسل نو کی تہذیب فرنگ کیساتھ تعشق و تعبد پر زجر و توبیخ بھی۔ کہیں برہنگی پر ملامت ہے تو کہیں مقدس صنف کے ساتھ الجھے ہوئے مسائل کا احاطہ اور ان مسائل کا حل۔ حضرت عنبر ناصری نے بھرپور طریقے سے تہذیب مقدس کا دفاع کیا ہے اور موجودہ نسل کو خبردار کیا ہے کہ سات سمندر پار سے آنے والی تہذیب فرنگ مشرق کیلئے ناسور ہے۔ان اشعار میں تخاطب کا جو رنگ اور کیف ہے وہ منفرد اور فقیدالمثال تو ہے ہی اس میں وہ رنگ و کیف اور وہ سوز بھی پنہاں ہے جو سوز آفاقی رشتوں سے ہم آہنگ ہے۔اور لاریب یہی ہم آہنگی اور ربط ان کا خمیر ہے۔لفظ لفظ صداقت ہے اور تہذیب نو کی پشت میں اسلامی خنجر کی ایسی ضرب کاری کہ تہذیب نو لہو لہان نظر آتی ہے۔اسی اسلامی خنجر کی ضرب کاری ''آوارہ ممبئ'' کے عنوان سے ایک نظم بھی ہے ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

کہتے ہیں ممبئی کے ہیں انساں کھلے ہوئے
سب کے لئے سب کے دل و جاں کھلے ہوئے
رنگیں یہاں کی صبح ہے، رنگیں یہاں کی شام
زلفیں کھلی ہوئیں تو گریباں کھلے ہوئے
بگڑے ہوؤں کے واسطے ہوٹل کا انتظام
اچھوں کے واسطے درِ زنداں کھلے ہوئے
تہذیب نو کا ان پہ وہ نشہ چڑھا ہوا
پردہ کو دیکھ ان کے ہیں دنداں کھلے ہوئے
ادغام لب ہو یا کہ جوارح کا انضمام
ہوتے ہیں سب عوام کے دوراں کھلے ہوئے

اس نظم کے کئی اشعار کے نذر قارئین کا مقصد بس یہ ہے کہ ممبئی کی آوارگی، تہذیب نو کی دیوانگی، برہنگی سے وار فتگی اور مشرق سے برہم زندگی کی مکمل تصویر عیاں ہو جائے۔انھوں (عنبر ناصری) نے جس فنی حذاقت اور کامل واقفیت کے

ساتھ ممبئی کی کھوکھلی حقیقت کو بیان کیا ہے اس سے فنی مہارت نمایاں تو ہے ہی، طوفان بلا خیز کی تباہی کو بھی سمجھا جاسکتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سارے بھارت کی بدکاریاں ایک طرف ہیں اور ممبئی کی ایک طرف ۔ اگر موازنہ کریں تو ممبئی کی بدکاریوں کا قد اور وزن بلند و ثقیل ہوگا۔ یہ تو عصر حاضر اور تہذیب فرنگ کی پشت پر ان کی ضرب کاری تھی اور قوم وملت اور ملکی عوام کے تعشق و تعبد پر ماتم و گریہ کہ افسوس ! شعائر اسلام کے دلدادہ اور مشرقی تہذیب کو حرز جاں کہنے والے افراد کس کثیف اور جہنم رسیدہ راہوں کے متلاشی ہیں ! ان کی سنجیدگی اور فطرت و قدرت کے مقتضیات کے خطوط کی رہنمائی اور حیات تابندہ کے اعلیٰ مطمح نظر اور مقصود کی طرف اشارہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ انھوں نے (عنبر ناصری) کن کن شاعرانہ نکات اور غزلیاتی کیف وسرور کے زیر و بم کو اپنی پر کیف اور سدا بہار شاعری میں جگہ دی ہے، مذکورہ نظم میں ظرافت کا رنگ اور ظریفانہ پہلو کا کوئی بھی شمہ نہیں بلکہ وقار اور سنجیدگی کی تمکنت بحال ہے وہی سنجیدگی اور وقار فطرت و قدرت کے مقتضیات میں سے ہے۔ اعلیٰ مطمح نظر اور سرفرازیٔ ذوق کی طرف رہنمائی ان کے فطری سوز اور غزلیاتی کیف و عنصر میں ملاحظہ کیجئے، اس ذوق بے خودی اور کیف کے قوس و قزح میں واحد متکلم کی فراموشی بلکہ خود فراموشی ان کے یہاں مفقود ہے بلکہ اس سوز اور کیف و عنصر کے رنگ و ترنگ میں خود کو غرق کر دیتے ہیں اور پھر اسی رنگ و ترنگ اور سوز میں گویا ہوتے ہیں۔ درج ذیل اشعار میں ان کے علمی قد و قار و

شان اور سوز کو دیکھئے ۔

ملا نے ترک دیں کیا دستار پھینک کر
پنڈت بھی دیر سے گیا زنار پھینک کر
بد مذہبی کا دور ترقی یہ دیکھئے
دنیا خرید لیتے ہیں کردار پھینک کر

اس فطری سوز میں جو پنہاں نوائے سروش ہے اس میں '' حرم کے ملا '' کو '' دیر کے پنڈت '' اور '' کلیسا کے راہب '' بلکہ ہر قوم کے بگڑے اور مذہبیات سے دور مذہبی پیشوا کو خطاب کیا گیا ہے کہ دستار و زنار کے وقار اور شوکت کو محض چند کھوٹے سکوں کے عوض پامال نہ کیا جائے ۔ کلی تاثر یہ ہے کہ دیر کے پنڈت تو دور کی چیز ہے '' ملا '' جو حقیقتاً عرفان حق کا مدرک ہوتا ہے وہ دین سے تغافل کیشی کا شکار ہو کر شعائر حق کی پامالی اور بے وقعتی کی وجہ نہ بنے کیوں کہ '' ملا '' جس نوعیت سے حق آگاہ ہوتا ہے وہ حق آگاہی '' دیر کے پرستار '' کے حق اور نصیب میں کہاں ؟ یہ خطاب تو دراصل ملا '' کو ہے تاہم '' دیر کا پرستار ' ضمناً مخاطب ہے ۔ با مقصد زندگی اور حیات ابدیت '' کے جو روشن پہلو ان کے یہاں نمایاں ہیں وہ دیگر ہم عصروں میں مفقود ہیں ۔

قلب روشن کو وا کرے کوئی

نقش حرف وفا کرے کوئی
جب ہو یہ حال مہ رخاں تو دل
کیوں کسی پر فدا کرے کوئی
میں قفس ہائے عشق خوباں میں
پھنس گیا ہوں رہا کرے کوئی

انسانی قدریں اور تہذیب کو دراصل زندہ قومیں اور بیدار قومی صلاحیتیں زندہ اور متحرک رکھتی ہیں اور یقیناً قومی قوتیں ایسا سرمایہ ہیں جو تحفہ آفاق ہیں۔ اگر یہ قوتیں متحرک اور فعال نہ ہوں تو قومی اور شخصی زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ قومی قوتوں کو اس جذبہ سے بھی عبارت کہنا چاہئے جو جذبہ ایک کا دوسرے سے ہوتا ہے۔ حضرت عنبر ناصری نے اسی جذبہ اور درد کے فقدان اور دم توڑتی ہوئی قومی قوتوں کا تذکرہ کیا ہے کہ آخرش ہے کوئی جو اس تیرہ وتار عہد میں اپنے قلب روشن کی تابانی اور تابندگی سے ان ظلمتوں کو کافور کرے اور ان ٹوٹتے رشتوں کو ایک مضبوط اور عہد ساز رشتے سے جوڑ کر حرف وفا کی مہر ثبت کرے لیکن متواتر اس صدا کی طرف رجحان نہ ہونے کے باعث اور قومی قوتوں کے جمود تسلسل اور تعطل سے نالاں ہو کر بطور تازیانہ چیخ اٹھے کہ

میری یہ صدا لغو کیوں قرار پا رہی ہے؟ بہتر تو یہی ہے کہ ان خوابیدہ قوتوں کو مزید خواب خرگوش میں رہنے دیا جائے۔ وہ خفا ہیں تاہم ان کی خفگی اور ناراضگی ایسی نہیں کہ ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے بلکہ انھوں نے جھنجھوڑا، حرکت دی، قوم جاگ بھی گئی اور باہم یک زباں ہو کر یہی نعرہ بلند کر رہی ہے کہ قفس ہائے عشق خوباں سے نجات ہو تو کیسے ہو اس کے عوامل کیا ہیں؟ کہ اس زنجیر بلا قید سے رستگاری ہو جائے۔ حضرت عنبر ناصری ایک ایسی آواز نہیں بلکہ صدائے سروش ہیں جو قوم کی بگڑی ہوئی حالت پر گریہ و ماتم کناں ہیں تو بے حسی اور جمود و تعطل پر تازیانہ بھی۔ گویا وہ جدت کے لباس میں آتش رفتہ کا سراغ ہیں جو جدت کے مذاق کے ساتھ ساتھ عہد رفتہ کی آئینہ داری بھی کرتے ہیں۔ ان کا یہ شعری سفر جاری ہے اور قدرے سرعت کے ساتھ جادہ پیما ہے، راہ میں دشواریاں گرچہ ہیں تاہم ان کی بلند ہمتی ان دشواریوں کو پامال کر رہی ہے ایک ایسی منزل کی طرف کہ جہاں صرف اور صرف سرفرازی اور بلندی ہے۔ ان کے قریب بہ اشاعت مجموعہ کلام ''حدیث عنبر'' کا یہ شعر بالکل سچ ہے اور سو فیصد سچ ۔

ہر لفظ ہی اک فن پارہ ہے ارباب ادب کی نظروں میں
لاریب کہ سچا موتی ہے ہر شعر حدیثِ عنبر کا

کرم پر تلے ہیں ستم ڈھانے والے !!

یہ بڑے حسن اتفاق کی بات ہے کہ جب جب انتخابات کے ایام قریب تر ہوتے جاتے ہیں تمام سیاسی پارٹیاں وعدوں پر وعدے کرتی ہیں اور وہ وعدے جو وفا ہونے سے رہ گئے تھے۔برق رفتاری کے ساتھ پورے ہونے لگتے ہیں ،راقم ان سیاسی پارٹیوں کے اس تغافل اور تجاہل عارفانہ پر حیران ہوتا ہے کہ آخر یہ کیوں ہوتا ہے کہ کئے گئے وعدے وفا نہیں ہوتے ،اور جب انتخاب کے دن قریب ہوتے ہیں تو اس ''کار عشق ''میں شدت کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہوئے وعدۂ عشق کو پورا کر لیا جاتا ہے ؟ہندوستان جیسے اس عظیم جمہوری ملک کہ جہاں محض ووٹ کی عددی طاقت عوام کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہے اور یہ بات بڑے وثوق اور کامل یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس عظیم جمہوری ملک میں عوام اپنی عددی طاقت کا بارہا استعمال کرکے سیاسی مبصرین اور تجزیہ کاروں کو حیران کرچکی ہے کہ مبصرین و تجزیہ نگاروں کے تجزیے ہوا ہوگئے اور عوام کی عددی طاقت نے اپنے کروفر کا بے مثال مظاہرہ کردیا۔عوام کی عددی طاقت اور پھر انتخاب کے غیر متوقع نتائج نے بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کو اپنے وجود سے ہلکا کردیا اور جس نفس کے ذریعہ حرارت وجود دم بدم قائم تھی یک لخت دم توڑ گئی خواہ کانگریس ہو یا پھر دوسری جماعت ہر ایک کو اس ناتمام عشق کی ضرب کاری کو جھیلنا پڑی

ہے کیوں کہ جمہوری اور عددی طاقت کے یہی معنی ہوتے ہیں اور فی الوقت سیاسی پارٹیوں کا وعدوں پر وعدے کرنا اور ایفائے عہد اسی ناتمام عشق کی ضرب کاری کے خوف سے ہے لیکن یہ تمام ''کارہائے عشق'' اپنے منطقی انجام کو پہونچ کر رہیں گے عددی طاقت اسی امر لطیف کی سمت مشیر ہے۔

مسلمانان ہند چونکہ اس جمہوری ملک کے باشندے ہیں اور ان کو یہ حق بہم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنی عددی طاقت کا استعمال کریں اور اپنی پسند و ذوق کے موافق اپنا سیاسی نمائندہ منتخب کریں، مسلمانان ہند اس کا استعمال اور مظاہرہ کرتے ضرور ہیں لیکن نصف صدی سے زائد کے عرصہ میں بھی اپنی اس عددی طاقت کو راست طریقہ سے استعمال کرنا نہیں آیا اور نہ ہی کبھی اس کا خیال دامن گیر ہوا کہ اپنی خامیوں کو دور کریں کیونکہ اس عددی طاقت کے راست اور صواب راہ سے استعمال کرنا بھی ایک لازمی فن ہے ۔ مسلمان لاریب اس ہندوستان میں کثیر تعداد میں ہیں اور راست طریقہ سے اپنی عددی طاقت کا استعمال کرکے ایک نیا انقلاب لا سکتے ہیں مگر افسوس ! غفلت اور در ماندگی کی نحوست کا ایسا اثر واقع ہوا ہے کہ وہ خود اپنے وجود اور اپنی نوائے آفاقی سے بھی یکسر غافل ہوگئے اور اس کو بھی بھول گئے کہ ان کے ہی آباء واجداد تھے جن کو گنگا نے وضو کرایا تھا اور اس سرزمین ہند نے لپک لپک کر استقبال کرتے ہوئے نماز عشق کی دعوت دی تھی ۔ مسلمانوں نے واقعی ہر بار اپنی اس طاقت کا استعمال کیا

ہے مگر ان کا یہ استعمال کرنا لغو قرار پایا کیونکہ وہ آج تک اپنے سیاسی وجود کو مستحکم نہ کرسکے بلکہ دن بہ دن سیاست کے اس شہر چیستاں کے معموں میں الجھ کر رہ گئے اور یہ الجھنیں اتنی بڑھی کہ اپنے وجود کی بھیک مانگنا اپنا مقدر سمجھ رہے ہیں لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ سیاسی لیڈران ہمارے وجود اور ہماری عددی طاقت کو اچکنے کے فکر و خیال میں ہے اور ان کو اس امر کا علم ہے کہ مسلمانان ہند اپنی عددی طاقت سے انقلاب لا سکتے ہیں بنابریں سیاست کی دورخی پالیسیوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ''کارہائے عشق'' کے وعدہ ہائے خام خام کیے جارہے ہیں اور ایفائے عہد کی منافقانہ چالیں بھی چلی جارہی ہیں کیوں کہ اگر ان وعدہ ہائے خام خام اور ایفائے عہد کی منافقت ادا نہ کی گئی تو ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کا وجود خطرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ قوی امکان ہے لیکن بعض کھلے ذہن و دماغ کے افراد نے اس خواہ مخواہ کی منافقت کی تردید کا اعلان بھی کیا کہ ہم نفاق نہیں جانتے اور اس کھلی ہوئی حقیقت کے بیان واظہار پر ایمان رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے وجود کو ہی کالعدم قرار دیا جائے اور صدیوں قدیم مسلمہ حقائق کی تغلیط کردی جائے کہ مسلمان کل کی طرح آج بھی پردیسی ہیں جیسے بھاجپا اور دیگر حلیف پارٹیاں۔ غور وخوض اور فکر کا مقام ہے کہ نقصان کا سب سے زیادہ امکان منافقوں سے ہوتا ہے جو کھلے دشمن ہیں ان سے خطرات لاحق ہوں گے مگر اس نوعیت کے نہیں جو نوعیت منافق اپنے کشکول جفا میں رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے احتیاط اور ہوشیاری

ضروری ہے کیونکہ ہر بار مسلمانوں نے جو اپنی ہوشیاری کے باوجود فریب کھا گئے اور اس حقیقت پر آنکھیں آنسو نہیں بلکہ خون روتی ہیں کہ آزادی سے تادم تحریر اپنے سیاسی وجود کی بقا اور تحفظ کی خاطر در در مسلمان بھٹکتے رہے اور آج تک ان کی دیوانہ وار دیوانگی کو منزل نہ مل سکی۔

ہم ان کو بھی سیکولر تسلیم کرتے ہیں جو ہمارے حقوق کے تحفظ اور جائز حصولیابیوں کے لیے جنگ لڑے اور ان کو بھی سیکولر کہہ کر تائید و تصویب کرتے ہیں کہ وہ کم از کم ہمارے وجود اور ہمارے شعائر اسلامی کے تئیں مخالف تو نہیں ہاں یہ بات سچ ہے کہ وہ سیکولر دل و دماغ اور بے داغ کردار کا مالک ہے جو ہمارے حقوق کی ضمانت لیتا ہے اور اس کی پاسداری بھی کرتا ہے ان کو کیا کہیں جو اپنے تمام وعدوں کے اثبات کے باوجود کھلے ہوئے حقائق کو مشکوک قرار دیکر ہم سے دشمنی کی ٹھان رکھی ہے۔ ہندوستانی جیسے عظیم جمہوری ملک کی سالمیت اور بقاء صرف سیکولرزم اور اتحاد میں ہے اور جب تک اتحاد و سیکولرزم متیقن نہ ہو اس کی سالمیت کا کوئی بھی ضامن نہ ہوگا، سیکولرزم ایک جمہوری طاقت ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن سیکولرزم اور اتحاد کے فریب میں جتنی بار مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا ہندوستانی تاریخ میں کسی بھی قوم کو نہ دیا گیا ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ ایفائے عہد اسی وقت لازمی تصور کیا جاتا ہے جب فرار کی تمام راہیں مسدود ہوچکیں ہوں تو اس وقت

ان منافقانہ سنتوں کو ادا کیا جاتا ہے اسی طرح کا ایک واقعہ کل پرسوں یوپی کی موجودہ حکومت کی وساطت سے پیش آیا جب انتخابی دن قریب ہوگئے تو طوعا و کرہا ایک نا تمام شیخ الہند میڈیکل کالج انعام میں دے کر خوش کر دیا کہ ہم نے جو وعدہ کیا تھا آج اس کے وفا کی تکمیل ہے بلاشبہ مسلمانوں کے لیے بڑا انعام ہو سکتا ہے کہ اپنے مذہبی و سیاسی پیشوا کے نام کی یادگار کو دیکھ کر سکون دل اور قرار جگر حاصل کریں لیکن ان لوگوں کے لیے یہ ہر گز بھی انعام نہیں کہا جا سکتا جو آج بھی سیاسی منافقوں کی بے اعتنائی کے شکار ہو کر حقیقت مآل سے برگشتہ ہوگئے۔ہم یا کوئی بھی کیسے اور کیونکر بے داغ اور صاف شبیہ کے حامل جماعت کہیں کہ جس کی موجودگی میں متعدد جگہ فرقہ وارنہ فسادات ہوئے لاکھوں افراد اپنے مکانات اور عزیز و اقارب سے محروم ہوگئے ابھی کا ہی واقعہ ملحوظ نظر رکھیں کہ مظفر نگر میں قتل عام کی تمام سنتوں کو تازہ کر دیا گیا مگر یہ سیکولر جماعت اس وقت متحرک ہوئی جب کشت و خون، لوٹ مار اور غارت گری کی تمام داستانیں رقم ہو چکی تھیں لاکھوں افراد اپنے خانماں برباد پر حسرت و رنج کی اشکباری میں مصروف تھے۔الغرض تمام پارٹیاں جو سیکولر ہونے کی مدعی ہیں اگر ان کے دعوے سچ ہیں تو یہ بھی سچ ہے کہ اس سچائی میں جھول ہے اور ان کا دامن داغ دار ہے۔انتخابی دن کے قریب تر ہونے کے باعث ہی کہہ لیجئے کہ بھولے ہوئے وعدے یاد آ گئے اور ایفائے عہد کا ارادہ کر کے تمام گلے وشکووں کو دور کرنے کی ایک کوشش کی جارہی ہے ۔پہلے تو بے

اعتنائی، بے مروتی اور نظر انداری تھی لیکن اب تو نوازشیں ہی نوازشیں ہیں آخر جگر کی رندانہ کیفیت یاد آ گئی ۔

مری طاقت ضبط کی خیر یارب
کرم پر تلے ہیں ستم ڈھانے والے

.....کجریوال : اور دم توڑ گیا ممولا

شاہین و شہباز کی بے جگری ،دلاوری اور بلند ہمتی ممولا میں آ ہی نہیں سکتی کیونکہ ممولا ازل سے ہی پست ہمتی کا شکار ہے بلکہ ممولا کی فطرت میں ہی پست ہمتی اور کوتاہ فکری پنہاں ہوا کرتی ہے چہ جائے کہ ممولا کچھ دن اپنی بے جان جسارت کا اظہار کرے او رفضا میں پرواز کی فکر میں غلطاں رہے تاہم پھڑ پھڑانا اور اچھل کود کی منافقت سے بازنہ آنا بھی اسکی سرشت میں ہے تاہم اسکی تمامتر کوششوں کا ثمرہ صفر ہی ہوا کرتا ہے۔ دلی میں جو کچھ بھی ہوا تاریخ کیلئے بھی اہم ہے اور سیاسی مبصرین و تجزیہ نگاروں کیلئے بھی تعجب خیز امر ہے کہ جنتر منتر کی شان کجریوال عام آدمی سے دفعتہ دلی کے خاص آدمی ہو گئے اور سیاست میں آ کر اپنی ایسی کرشمہ سازی دکھائی کہ تمام دعوے جو سیاسی مبصرین کیا کرتے تھے کھوکھلے ثابت ہوئے اور اس کرشمہ سازی کا تذکرہ تمام دنیا میں ہونے لگا کہ ہندوستان میں ایک انقلاب آیا ہے جسے کجریوال کا نام دیا جاتا ہے جس سے تمام بدعنوان افراد خوف زدہ ہیں اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے کہ اب جو لقمے خفیہ راستوں سے آتے تھے ،قدغن لگا دی جائے گی اوراس کا حصول ایک امر گراں ہوگا۔

بد عنوانی واقعی ہر ایک ملک کیلئے ناسور ہے کیونکہ اس سے کسی خواب کو شرمندہ تعبیر نہیں کیا جا سکتا بلکہ خوابوں پر بھی پابندی لگا دی جا سکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا پڑوسی ملک پاکستان بد عنوانیوں سے ایسا جکڑا ہے کہ اس کی گرفت سے نکلنا مشکل ہی نہیں نا ممکن ہے۔ بھارت میں بھی بد عنوانی سر چڑھ کر بول رہی ہے ہر ایک سیاسی لیڈر اور دفتری شخص اس جرم میں ملوث ہے آدمی خواہ کتنا بڑا کیوں نہ ہو بغیر رشوت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا وہ آدمی جو کسی سطح کی شہرت نہیں رکھتا یومیہ اجیر ہے تو اس کو رشوت کی دوگنی رقم نذر کرنا ہوتی ہے اور یہ وثوق کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسی طبقہ کا زیادہ استحصال ہوا کرتا ہے۔انا ہزارے اور دیگر مخالفین بد عنوانی نے اس ظلم و استحصال کیخلاف آواز اٹھائی اور ملک کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کو لیکر جنتر منتر اور دوسرے مقاموں میں دھرنا، مظاہرے کیے اس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا یا نہیں یہ تو کجریوال جانتے ہوں گے کہ براہ راست کسے فائدہ ہونچا ہے تاہم کجریوال کی شخصیت سامنے آئی اور جو کل ایک افسر تھے حکومت وقت کے سب سے بڑے مخالف بن کر سامنے آئے نام نہاد گاندھی انا ہزارے جس طوفان کو برپا کرکے اپنی رہائش گاہ میں معتکف ہو گئے ان کو سوائے ہنگامہ آرائی کے کچھ نہ ملا مگر کجریوال کو خاطر خواہ فائدہ مل ہی گیا کیونکہ کسی بھی کام سے قبل کچھ نہ کچھ شہرت مل جانی چاہیے تاکہ راہیں کھلتی جائیں اور سبک روی کے ساتھ قدم بڑھے۔ یہ وہی کجریوال ہیں جو کل خاک دلی کو

سر میں ڈالے کوچہ ہائے دلی میں سرگرداں پھر رہے تھے اور یہ بھی صدا بلند کر رہے تھے کہ ہم ''ذوق خواری'' کو ختم کریں گے اس سے ہمارا ازلی بیر ہے کوئی میرا ہم رکاب ہو جائے ! وہ لوگ جو ظالم افسران اور بد عنوان سیاسی افراد کی بد عنوانیوں کے شکار ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے، اس صدا کو پیام سروش تصور کرکے ''آمنا و صدقنا'' کہہ کر ایمان لے آئے اور ان کی ہمرکابی کو خوش قسمتی تصور کرنے لگے اور حقیقت حال کچھ تھی ہی ایسی کہ عوام کی ایک معتد بہ تعداد کجریوال کی صدا پر لبیک کہہ گئے اور اپنا غم خوار اور مسیحا بنا لیا اور جب دلی انتخاب کے نتائج سامنے آئے تو آمنا صدقنا کی تابانی اور گرمی دیکھنے کو ملی کہ کجریوال عام آدمی سے خاص آدمی بن گئے اور جہاں جہاں بد عنوانیاں تھیں ،کانپ گئیں کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی لیکن یہ خوف آج جاتا رہا۔ تاہم وزیر اعلی کا حلف لیتے ہی کجریوال کو اصل سیاست کا اندازہ ہوا کہ سیاست کے کیا معنی ہیں محض ووٹ کی اکثریت سے کرسی نہیں جیتی جاتی بلکہ اس کے دوام کی خاطر سیاسی بصیرت کی کارفرمائی بھی لازمی ہے لیکن افسوس محض کچھ ہی دنوں میں کجریوال نے اپنا استعفی دیکر اپنی پست ہمتی اور ناطاقتی نیز نا اہلیت کا اظہار کر دیا کہ ع

یہ عشق نہیں آساں یہ عشق بڑا مشکل

کجریوال نے اپنے جس مطمح نظر اور مذاق فکر کی رونمائی کی تھی وہ بد عنوانی

کا خاتمہ اور لوک پال بل کا پاس ہونا تھا بڑے بڑے دعوے اور سیاسی قلابازیوں کے با وجود انھوں نے جو کچھ بھی کیا ہندوستانی عوام بالعموم اور دھلوی عوام بالخصوص سکتے میں ہیں کہ آخر یہ کیا ہو گیا کہ بد عنوانی کیخلاف نبرد آزمائی کا عزم رکھنے والے ہمت ہار گئے اور اپنا استعفی پیش کر دیا؟ کجریوال نے جب بھی اپنی زبان کھولی ہے بد عنوانی کے علاوہ ان کی زبان کچھ بھی تلفظ نہ کر پائی کیونکہ بد عنوانی کا عفریت ان کو خواب میں بھی ڈراتا تھا اور لوک پال بل کا خواب دن میں بھی دیکھتے رہتے تھے جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بڑے عجلت پسند واقع ہوئے اور جس سرعت کیساتھ وہ عام آدمی سے خاص آدمی بنے اسی طرح ہر قسم کی بد عنوانیوں کا خاتمہ چاہتے تھے اور اسی طرح تمام امور کا تصفیہ بھی۔ ان کی فطری عجلت تھی کہ وہ ہر ایک چیز میں جلدی جلدی کے خواہاں تھے اور صبر و تحمل سے کوسوں دور۔ اگر وہ ذرا صبر و تحمل اور اطمینان قلبی سے کام لیتے تو آج ان کو اپنی سرکار گنوانا نہ پڑتی بلکہ رفتہ رفتہ از خود تمام مسائل حل ہو جاتے تاہم یہ درست ہے کہ ان کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے، دشواریاں کھڑی کی گئیں تاکہ وہ گھبرا کر اپنے مآل کیطرف لوٹ آئیں اور ہوا بھی یہی۔

فضائے سیاست میں پرواز کسی بے جان مولا کی فطرت نہیں ہے بلکہ شاہین و شہباز کا یہ جہاں ہے کہ جسمیں بغیر کسی روک ٹوک کے پرواز کرتے چلے جاتے

ہیں، یہاں باد مخالف کی تندی ہے تو طوفان عظیم کی ہلاکت آفرینی بھی بلکہ اگر کسی ممولا نے اپنی جرات بے باک کا اظہار کر بھی بیٹھا ہے تو اسے اپنی تمام قوتیں اس سے مقابلہ آرائی کیلئے صرف کرنا ہونگی اور بڑی بے جگری سے اس سے دودو ہاتھ کرنے ہونگے ۔کجریوال بد عنوانی کی تعاقب کے زعم میں ممولا سے شاہین بن گئے اور فضائے سیاست کی تندی اور طوفان عظیم کو خاطر میں لائے بغیر پرواز کردیا اور اپنی اصلی خو کا بھی مکروہ مظاہرہ کردیا کب تک بے جان ممولا فضا کی سرگرمیوں کی تاب لاتا لازماً زمین پر آگرا اور پرواز سے یکسر انکار کردیا۔کجریوال کیلئے ضروری تھا کہ وہ سیاست کے تمام نرم و گرم حالات کا مقابلہ کرتے اور اپنے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے۔کیا لوک پال بل کا پاس نہ ہونا ان کے مستعفی ہونے کی وجہ ہے ؟؟اگر ان کا یہی شوق اور ان کی عقل و ہوش کی سرگرانی بھی تو ان کیلئے مظاہرہ اور کرایے کے لوگوں کی بھیڑ جمع کرنا ہی زیبا تھا۔آج جبکہ انھوں نے اپنا استعفی دیا ہے تو اس سے دلی کی سیاسی فضا مکدر ہو گئی ہے وہ مزدور طبقہ جنھوں نے اپنا مسیحا اور غم خوار تصور کیا تھا اور ان پر کامل یقین اور اعتماد کا اظہار کیا تھا ان کی غم خواری کون کریگا ؟وہ آج غم میں ڈوبے ہوں گے کہ ہماری کشتی کا نا خدا عین منجدھار میں کشتی گرداب کے سپرد کرگیا !کجریوال نے جس نعرہ سے عوام کا اعتماد حاصل کیا تھا اس اعتماد کو محض ایک ہی لفظ میں توڑدیا آخر ان کے اس عمل کے کیا اسباب و عوامل ہیں جب کہ تمام حالات اگر سازگار نہ تھے تو

مخالف بھی نہیں کہے جا سکتے اگر مخالف بھی تھے تو ان کو فہم وتدبر اور دانشمندی سے حل کر لینے چاہیے آخرش استعفی کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟؟اصل واقعہ یہ ہے کہ خود کجریوال کی اتنی ذہانت اور دانشمندی کہاں کہ وہ سیاسی حالات کا مقابلہ کرتے کسی کے ایماء پر انا ہزارے کی معیت میں بد عنوانی کیخلاف صف آرائی کی اور شور وغل مچاتے ہوئے ایوان تک پہونچنے میں کامیابی حاصل کی، راقم بار بار ان ہزار بد نصیبوں پر حیران ہوتا ہے کہ جنھوں نے اپنے ووٹ کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوئے ایک نا تجربہ کار آدمی کو دیا۔ووٹ دینا ہی جرم نہ ہوتا بلکہ انھوں نے سب سے بڑی بھول یہ کی کہ تمام مسائل کے تدارک کا لازمہ کجریوال کو سمجھنے لگے، اگر یہ کہیں کہ کجریوال کے اس اقدام سے ان بد نصیبوں کو دھوکہ ہوا جنھوں نے ان کو ووٹ دیا ہے تو بیجا نہ ہوگا بالکل صد فی صد سچ ہے کہ ان کی کشتی کے ناخدا نے اپنی کوتاہ ہمتی کے باعث عوام کو دھوکہ دیا ہے۔ کجریوال نے آج اپنے زعم ناتواں کے بموجب استعفی دے دیا ہے تاہم اس کے نتائج اچھے ہوں ،امید کرنا خطا ہو گی کہ جس صورتحال میں انھوں نے اپنے اس رد عمل کا اظہار کیا ہے اس سے ان کے ذوق لطیف کی سمت بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کیلئے بھیڑ جمع کرنا اور شور وغل مچانا آسان ہے بعینہ اسی طرح حکومت گرانا ،بنانا اور استعفی دینا آسان ہے۔نا عاقبت اندیش کی جماعت کی مصداق عام آدمی پارٹی ہے جو صرف اور صرف شور ہنگامے اور عجلت پسندی کی عادی ہے اور تلخ نتائج سے کوسوں دور۔اگر عام آدمی پارٹی اور خا

ص آدمی صبر و ضبط اور تحمل سے کام لیتے تو دہلی کے سیاسی افق پر بحران کے بادل نہیں منڈلاتے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ تمام خدشات سچ ہونے لگے اور دہلی کی سیاست بحران کی شکار ہو گئی۔ ہر ایک کو اس کے مضمرات کا منتظر ہونا چاہیے کہ کجریوال کی ضد عجلت پسندی اور ان کے استعفی کی پیش کش کیا رنگ لاتی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اب کبھی عام آدمی اپنا رنگ نہیں جما سکتی بلکہ شور ہنگامے، مردہ باد زندہ باد کے بیہودہ نعروں نیز جنتر منتر کیلئے ہی وقف ہو گی۔ غالب مرحوم دھلوی کا شعر کجریوال ''دھلوی'' کی نذر۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا، کہتے ہیں

پاسوان :آدمی بھی خوب ہے

صوبہ بہار کی سیاست اور پھر موجودہ دور کی سیاست میں ایک بڑا نام رام ولاس پاسوان کا بھی ہے کہنے کو تو پاسوان مدبر اور دور اندیش ہے تاہم ان کی سیاسی زندگی کے تمام شعبہ ہائے زریں اس امر کی تصویب کر رہے ہیں کہ پاسوان نے اپنی تبدیلی مذاق کا ہی اظہار کیا ہے اور محض جاہ ومنصب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنی پالیسیوں کو آخری شکل دی ہے اور کچھ ایسا ہی انھوں نے بی جے پی کیساتھ اپنے اتحاد کو پیش کرکے کیا ہے پاسوان ملک کیلئے ایک با اصول اور دور اندیش سیاسی لیڈر تصور کیے جاتے ہیں اور جب بھی پاسوان نے کوئی وزارت سنبھالی ہے اس کو ہمہ جہت ترقی سے ہمکنار کیا ہے لیکن محترم کا یہ اقدام جس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ ان کیلئے عمر بھر کی پارسائی اور نیک نامی پر بدنما داغ کہا جاسکتا ہے۔بی جے پی سے اتحاد کے تئیں ان کے دلائل بزعم خویش قوی ہیں لیکن قوی ہونے کے باوجود اپنی نقاہت اور ضعف کا سراپا اعلان کر رہے ہیں پاسوان کے اس اقدام یا پھر کھلی منافقت کو کیا کہیں ؟

ملک کی سالمیت و بقا اور تحفظ اگر فرقہ واریت کی تعلیم دینے والی جماعت

کی پالیسیوں میں مضمر ہے تو بصد شوق ملک کی عوام کو اس اقدام کا خیر مقدم کرنا چاہیے اور اپنی تائید کی مہر بھی ثبت کرنی چاہیے لیکن اگر شوق کی یہ سرگرانی ہے تو خدارا اس نقطہ فکر پر قدم روک کر غور کیا جانا چاہیے کہ بی جے پی نے اپنے روز اول سے کیا کیا ہے کس امر کو ملحوظ خاطر رکھ کر اپنی سیاسی پالیسیوں کا اظہار کیا ہے اور کس نقطہ فکر کا ایجاد کیا ہے ؟ سیکولرزم اور مثبت فکر و خیال کے حامل افراد بخوبی بی جے پی کی مکروہ پالیسیوں کو سمجھ رہے ہیں اور اس کی تغلیط و تردید بھی کو اپنا ایمان تصور کر رہے ہیں کہ اگر یہ پالیسیاں کارفرما ہوئیں تو ہندوستان اپنی تارتار جمہوریت پر ماتم کناں ہوگا اور جس ہندوستان کا خواب دیکھنے والوں نے دیکھا تھا وہ ہرگز شرمندہ تعبیر نہ ہوگا بلکہ ایک ایسا ملک ہوگا جس کی تصویر بڑی ہولناک ہوگی مگر مذکورہ پارٹی تمام منفی نتائج سے بے پرواہ ہو کر بھارت کی جاذب اور دلکش تصویر دیکھنے کی متمنی ہے اور اپنی اس تمنائے ناتمام کو تشنہ چھوڑنا گوارہ نہیں کرتی اسی تمنائے ناتمام کی تکمیل کا شوق فراواں مودی کو وزیر اعظم کیلئے منتخب کرنا ہے۔ مودی کی ذہنیت اور فکر نہ تو سیکولرزم سے نیک رشتہ استوار رکھتی ہے اور نہ ہی امن و سکون کی پاسباں ہے بلکہ سرتاسر ان امور دلنشیں او ربنائے سکون و آشتی سے متحارب و منحرف ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے منافرت قتل و فساد کا ہی اظہار کیا ہے الغرض مودی کی ذات قابل اطمینان نہیں ہے اور بی جے، پی کو اپنے وزیر اعظم کیلئے

اس کو منتخب کرنا صریح غلطی ہے کیوں کہ بی جے پی آج تک کسی تنگ نظر اور فرقہ پرست اور داغدار شخص کو وزیر اعظم کی کرسی پر بٹھانہ سکی ہے الہٰذا اس انتخاب پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور پھر مودی کا دامن تو معصوم اور بے گناہوں کے خون سے لت پت ہے اور وہ موجودہ دور کا قاتل اعظم ہے۔ پاسوان نے جب کانگریس سے قبل بی جے پی اقتدار پر قابض تھی اور راٹل بہاری واجپئی وزیر اعظم تھے تو یہ صاحب وزارت تھے لیکن جب گجرات کا سانحہ عظیم پیش آیا تو یہ کہہ کر اپنی حمایت واپس لے لی او روزارت سے مستعفی بھی ہو گئے کہ ہم اس جماعت سے رشتہ ارادت نہیں رکھتے کہ جس کی نگرانی میں قتل و خون کی ہولی کھیلی گئی 2000 کے اوائل میں بہار کے رحمانیہ سپول کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے راقم نے انکے اس قول کو بغور سنا تھا کہ ہم گنہ گار جماعت اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والی جماعت کا بائیکاٹ کرتے ہیں اور گجرات میں انسانوں کے بہتے ہوئے خون نے ہمیں مستعفی ہونے پر مجبور کیا ہے یاد رہے کہ اس وقت گجرات کے سیاہ و سفید کا مالک مودی ہی تھا اور اسی کے سایہ عاطفت میں گجرات کو قتل و خون کی آماجگاہ بنایا گیا تھا، کل وہی پاسوان تھے جنھوں نے خون او رے گور و کفن لاش کے باعث اس جماعت سے اپنا رشتہ توڑ لیا تھا لیکن آج وہی پاسوان ہیں جو کل کے قاتل اعظم کے ہاتھوں پر بیعت کو فریضہ گمان کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اس امر کا بھی بخوبی ادراک ہے کہ گجرات میں قتل و خون اور انسانیت کی بے حرمتی اسی کے باعث ہوئی تھی آخرش یہ

فساد مذاق کیوں ہے؟ خیالات جو کل تک درست راہ کی سمت تھے آج کیوں صریح گمراہی کے شکار ہیں ؟ مذاق ، فکر اور تصور راست جو کل تھے اسکا تقاضا تو یہ نہ تھا یہی چند سوالات ہیں جو ہمیں بھی اور ہر مثبت اور صحیح الفکر ہندوستانی کے دل و دماغ میں گردش کر رہے ہیں کہ کیا ہوا ان دعوی اتحاد و سلامتی کا کس کی نظر لگ گئی یا پھر جو کل سیکولرزم کے علمبردار تھے ان کی نظر میں سیکولرزم کے کچھ اور ہی معنی ہو گئے ہیں ؟؟ رام ولاس پاسوان ہندوستانی سیاست بالخصوص بہار کی سیاست کے اہم ستون تصور کیے جاتے ہیں اور تادم تحریر سیاست کے تمام محاذات پر کبھی کامیابی تو کبھی ناکامی ہاتھ لگی ہے کہنے کو تو یہ لمبی ریس کے گھوڑے ہیں اور تمام سیاسی نشیب و فراز سے واقف ہیں لیکن، اتنی ہوشیاری اور زیرکی کے باوجود ایسی حرکت کا صدور کوئی نیک فال نہیں بلکہ یہ اس امر کا عندیہ ہے کہ ہندوستانی سیاست اب مزید ہلاکت آفرینی کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ ذرا اس ہلاکت اولین کا تصور کیجئے کہ بی جے پی کیطرف سے ایک ایسا آدمی وزیر اعظم کیلئے منتخب ہوا ہے جو کہ گنا ہوں میں لت پت ہے اور ملک کو مزید آتش نمرود میں جھونکنے کو تیار ہے کہنے کو تو یہ ہر دیہ سمراٹ ہے لیکن اپنے افعال و کردار سے خود اپنے دیئے گئے لقب کی توہین کر رہا ہے جگہ جگہ منافرت آمیز اور اشتعال انگیز بھاشن ہیں اور اس کے ذریعہ منافرت کی عالمگیر تخم ریزی

ہو رہی ہے جو کل کے بھارت کو غارت کر دینے والی ہے پھر رشتہ سخن کی گرہیں یہیں نہیں رکتی بلکہ گرہ در گرہ کھلتی جا رہی ہیں اور اس کی مثال پاسوان ہیں جو کل تک تو یزید وقت کے آگے سر تسلیم خم کرنا گناہ تصور کرتے تھے لیکن نہ جانے کیوں کیا سوجھی کہ سر خم کرنا تو دور ہے اس کے ہاتھوں پر بیعت کرکے مرنے اور جینے کی قسم کھا رہے ہیں ان کے اس رویہ سے ہر طرف اور ہر شخص نالاں اور سکتے میں ہے کہ یہ فکرو خیال میں فساد کیوں برپا ہوا دونوں قسم کے افراد بے چینی میں ہیں یہ کیا ہو رہا ہے کسی نہ کسی موقعہ پر مرحوم مرزا غالب یاد آجاتے ہیں ان کا یہ شعر اس جگہ کام کر گیا ۔

بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوئے زیر وزبر
گرد صحرائے حرم تا کوچہ زنار ہے

پاسوان بہار کے ایک قد آور سیاسی رہنما ہیں اور کبھی اقتدار میں تو کبھی اپوزیشن میں ہوتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے اور ایسی بے جگری دکھائی ہے کہ حکومت کو اپنے فیصلہ اور رائے پر نظرثانی کرنا پڑی ہے اور بغض دفعہ تو اپنے فیصلہ کو ترک کرنا پڑا ہے ۔ پاسوان بہار کی سیاست کی ریڑھ کی ہڈی ہیں مگر ان کیلئے اور ان کے حامیوں کیلئے یہ تلخ حقیقت ہے کہ وہ قومی ، ملکی اور عوامی فلاح کو خاطر میں لائے بغیر محض اپنے سیاسی اور ذاتی مفاد کی حصولیابی کو سہل الحصول بنانے کی غرض سے کبھی

کانگریس کے در کی جبیں سائی کی تو کبھی لالو پر ساد کے آگے بھیگی بلی بنے رہے راز و نیاز او رتعبد کا سلسلہ یہیں رک جاتا تو غنیمت تھی مگر ان کی سر گرانی یزید وقت کی بیعت پر جا کر رکتی ہے یہ کیوں ہے اور کیونکر ہے ؟کیا ہوا کہ سیکولرزم کا دم بھرنے والا او راکھنڈتا کی نغمہ سرائی کرنے والا کھنڈتا کی مکروہ ریں ریں کو اپنی آواز کا ساز دے رہا ہے ؟پاسوان کے اس اقدام اور اس زیبا یا نازیبا حرکت سے دو چیز مترشح ہوتی ہیں اول یہ کہ وہ محض اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت سیاست سے رشتہ رکھتے ہیں یا پھر وہ خود فرقہ واریت کے اس بلا خیز تند طوفان کے آگے سپر ڈال دیئے ہیں اور علی الاعلان اس امر کو ثابت کر رہے ہیں کہ جگر میں اتنی تاب نہیں رہی کہ اب مستقل سیکولرزم کا علم بلند کریں ذرا اس جانب غور کرتے ہیں تو دو شق سامنے آتی ہیں ، شق اول شق ثانی سے مضبوط ہے کہ کیونکہ موصوف کی پوری سیاسی زندگی تادم تحریر سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت سیاست کرنا ، سامنے آتی ہے ، شق ثانی کو اگر مضبوط مانتے ہیں تو پھر پاسوان کیلئے ضروری ہے کہ سیاست کو خیر آباد کہہ کر اپنی زندگی سنیاسیوں کی طرح گذر بسر کریں کیونکہ بھارت اکھنڈتا کا متلاشی ہے جو کہ اس کیلئے جام جاں ہے تو جام حیات بھی یزید وقت کے ہاتھوں بیعت کے ضمن میں ان کے جو دلائل ہیں تو ا ن کو یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ جب وہ 2000ء میں جس نکتہ کی بنیاد پر وزارت سے الگ ہوئے تھے وہی نکتہ مودی کو یزید وقت ثابت کر رہا ہے لہٰذا یہ بیعت

محض سیاسی اغراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے اور پاسوان جیسے سیکولر قائد کیلئے زیب نہیں۔ ہندوستانی سیاست کی شفافیت تو یہ کہلاتی ہے کہ آدمی اپنے مفادات اور موقعہ پرستی کو بالائے طاق رکھ کر صرف ملک کی خدمت کو یقینی بنائے مگر پاسوان نے اس دیہاتی محاورہ پر عمل کیا ہے کہ جہاں دیکھے کھیر وہیں لگائے بھیڑ اور ان کی پوری سیاسی زندگی اسی کی عکاسی کرتی ہے۔ ہندوستانی عوام بالخصوص بہار کے لوگ آئندہ عام انتخاب میں پاسوان کو آئینہ دکھائیں گے جیسا کہ گذشتہ بہار اسمبلی اور لوک سبھا الیکشن میں دکھایا تھا کہ فضائے بہار اور ہندوستان کے سیاسی فلک پر ان کا بنگلہ ہواووں کے دوش پر اڑتا ہوا نظر آیا تھا یقین نہ ہو تو پھر اپنی سرشت کا مظاہرہ کرکے دیکھ لیں اب عوام جاگ چکی ہے۔

پاکستان کا ایوان یا طوائفوں کا گھر؟؟

مملکت خداداد کے زعم میں غلطاں و پیچاں پڑوسی ملک کہنے کو تو جمہوریہ اسلامی ہے اور ہر آئین کا قیام شرعی رو سے ہوتا ہے اور پاکستان کے قیام کا مقصد صرف اور صرف لا الہ الا اللہ تھا لیکن بڑے تاسف اور حیرانگی کی بات ہے کہ اپنے قیام کے اصلی مقاصد سے کوسوں دور ہے اور آج تک جس خط اور جس نکتہ پر قیام پاکستان عمل میں آیا تھا اس کیلئے بہت دور کی کوڑی ہے اور سرتاسر ان امور سے متحارب اور منحرف ہے

پاکستان کی تاریخ از ابتدا تا دم تحریر کے ہر ورق میں یہی ثبت ہے کہ پاکستان ہر ایک اسلامی قانون سے یک گونہ بعد رکھتا ہے شاید میری بات بعض پاکستانی احباب کو ناگوار گذرے لیکن حقیقت اسی امر کی طرف مشیر ہے آخر یہ سوال اٹھتا ہے کہ جمشید دستی کے انکشافات کیا حقیقی ہیں یا پھر پاکستانی ایوان یا پھر ارکان کے خلاف کوئی مکروہ پروپیگنڈہ ؟ جمشید دستی نے جن امور کو بے نقاب کیا ہے وہ واقعی پاکستان کیلئے نہایت ہی شرمناک ہیں کیونکہ اسلام کا لیبل لگا کر کوئی ایسا ملک نہیں جو شراب اور مجرے جیسی بے حیائی کا مرتکب ہو۔

ایوان جہاں ملک کے مسائل حل ہوا کرتے ہیں اور مستقبل کیلئے ملک کی ایک نئی

تصویر کی تخلیق کی خاطر منصوبے بنائے جاتے ہیں اگر وہاں ایسی لغویات اور فحش کاریوں کی رسائی ہو تو وہ ملک کیسے اور کیونکر ترقیوں کی سمت بڑھ سکتا ہے جہاں ہر فرد شراب اور مجرے کے نشے میں دھت ہو وہ کیسے ملک کی سلامتی اور تحفظ کے تئیں غور و خوض کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ پڑوسی ملک دن بدن بجائے ترقیوں کے تنزلی اور بدتری کی طرف دیوانہ وار بڑھ رہا ہے۔ ملک پر غیروں کا کنٹرول ہے معاشی بد حالی اور اقتصادی المناکیوں کی سرخ ہوائیں چل رہی ہیں ملک قرضوں کے بوجھ سے گراں بار ہے اور جس اسلام کے نام پر ملک کا قیام عمل میں آیا تھا وہ اسلام اس ملک کے باشندگان کی نظر میں فرسودہ، دقیانوس اور دہشت گرد مذہب ہو گیا آخر یہ کیوں ہے ؟جب کہ پاکستان کا مطلب ہی لا الہ الا اللہ ہے لیکن یہ تمام باتیں محض کہنے اور سننے کو ہیں، اگر پاکستان کے ارباب سیاست اس سمت متفکر ہوتے تو پاکستانی ایوان میں شراب نوشی اور مجرے کی محفلیں آراستہ نہ ہوتیں ملک پاکستان کے قیام کا مطلب یہ نہ تھا کہ اسلامی اقدار اور اسلامی قوانین کو ایک مہرہ بنا کر وہ افعال انجام دیئے جائیں جس سے اسلام کو ازلی بیر ہے بلکہ اسلامی قوانین کے استحکام اور شرع کی پاسداری کے قیام کے نکتے ہیں جس پر جمہوریہ اسلامی پاکستان کی عمارتیں ہیں لیکن افسوس یہ کہتے ہوئے جگر شق ہو رہا ہے کہ پاکستان میں اسلامی اور شرعی قوانین سرے سے غائب ہیں۔

مقدس اسلام میں شراب کی ممانعت اور اسکی ہمہ گیر افتادِ مذاق اور پھر سزا کا عام اعلان ہے کہ اگر کوئی شخص شراب نوشی کے الزام میں ملوث پایا گیا تو اس کی کیا سزائیں ہیں کتنے کوڑوں کا مستحق ہے اب اسلامی قانون کو مد نظر رکھئے اور پھر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ارکان پارلیامنٹ کی اسلام مخالف سرگرمیاں دیکھئے اگر ان کے ذہن و دل میں اگر اسلامی قانون کی پاسداری کا خیال ہوتا تو یقیناً پارلیامنٹ کے احاطے میں میں نہ شراب لائی جاتی اور نہ ہی طوائفوں کی جماعت کو یہاں تک پہونچایا جاتا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا دعوی کرنے والے افراد ہی خود اسلام کو دل لگی اور مذاق سمجھ رہے ہیں اب ذرا اندازہ لگایئے کہ جب ارباب سیاست اور قانون سازی کی مجلس عاملہ ہی جب شراب اور مجرے کی عادی ہوگی تو دیگر افراد اور عام باشندوں کا کیا حال ہوگا جب قانون بنانے والے ہی قانون کو اپنے پاؤں کی جوتی سمجھ لیں تو پھر ان لوگوں پر قانونی شکنجہ کون کسے گا ؟۔

تقسیم کے وقت لا الہ الا اللہ کا ایک پرفریب نعرہ دیا گیا تھا کہ ایک ایسا ملک اور ایک ایسی ریاست کا قیام عمل میں آئیگا جہاں تمام اسلامی قوانین کی پاسداری اور شرعی نظام کا نفاذ ہوگا، غیر منقسم ہندوستان کے عوام کی ایک معتد بہ تعداد اس پرفریب نعرہ کو اپنے مآلِ زندگی اور عقیدت کی رو میں اپنی جائے پناہ تصور کرنے لگی اور اس آواز پر لبیک بھی کہہ دیا تھا لازماً ایک

ایسی ریاست وجود میں آ گئی جو اپنے ماتھے پر اسلام کا لیبل لگائے ہوئی تھی اور اندرون خانہ بالکل اس حقیقت سے خالی کہ اسلام کیا ہے اور اسلامی قوانین کن احکامات کو کہے جاتے ہیں ، جو لوگ ہجرت کے مقدس نام پر پاکستان چلے گئے ان کے ساتھ تمام زیادتیاں پختہ کر لی گئیں اور سرزمین پاک ان کے لیے تنگ کردی گئی اور حتی کہ زندگی ان کے لیے ایک عذاب بن گئی اور پھر ان دلخراش واقعات کے بعد جو شیطانی کھیل کھیلا گیا الامان والحفیظ کیا عصمتیں کیا حرمتیں اور کیا اسلامی اقدار کے تقاضے ہر ایک امور کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہر ایک طرح کی شیطنت اور بد کرداریاں پنپنے لگیں آخر خود پارلیمنٹ کے ہی ایک فرد کی زبان بول پڑی کہ ایوان میں کیا کیا ہو رہا ہے اور کتنے لوگ اس گناہ میں ملوث ہیں پاکستان اپنے روز ازل سے ہی اپنی پوشیدہ خو کا اظہار کر دیا کہ قیام تو اسلام کے نام پر ہو رہا ہے لیکن اسلام کا یہاں بالکل بھی گزر نہ ہوگا کجا مکمل نفاذ ! اور ہوا بھی یہی کہ پاکستان کا قیام عمل میں تو آ گیا لیکن وہ ہمیشہ اس سے تغافل اور پہلو تہی کرتا رہا کہ اسلامی قوانین اور شرعی نظام کا نفاذ نہ ہو ۔ کیا یہ کربناک پہلو نہیں ہے کہ جس جس فرد نے اسلام اور شرعی نظام کے نفاذ کی بات کی تو اس کو ایسا خاموش کیا کہ اس کی زبان اب روز محشر میں ہی کھلے گی ہاں یہ امر قابل تسلیم ہے کہ بعض ایسے نیک خیال کے حامل افراد تھے جو صرف اور صرف ایسے پاکستان کو دیکھنا چاہتے تھے کہ جس بنیاد اور جس نکتہ پر اس ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا اور اپنی تمام

تر کوششیں اس شرعی نظام کے نفاذ کے تئیں صرف کر دی تھیں لیکن ان کوششوں کا کچھ بھی نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ اس ضمن میں شدت ہی آتی گئی جس کسی نے پاکستان اور اس میں پنپ رہے مکروہ عناصر کے خلاف آواز اٹھائی اس کی زبان بند کر دی گئی۔

پاکستان کا قیام عمل میں اس لیے آیا تھا کہ ایک ایسے ملک ہو جہاں صرف اللہ اور رسول ﷺ کے پاک نام کے سوا کچھ نہ ہو لیکن مملکت خداداد پاکستان کی تصویر کا ملاحظہ کر لیجئے اور اس کے مرتب کردہ آئین کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے کہ کیا ہو رہا ہے ؟ کیا ہوا ان نعروں اور بلند بانگ دعووں کا ؟ بہار کی بات کرنے والے خزاں رسیدہ کیوں ہو گئے ؟ وفا کے مدعی جفا پر کیوں آمادہ ہیں ؟ جمشید دستی نے جس امر کی طرف اشارہ کیا ہے ہو سکتا ہے کہ دیگر ارباب سیاست اور اس گناہ میں ملوث افراد سے یہ ہضم نہ ہو اور جذبہ انتقام میں آ کر ایسا کچھ کر گزریں جس کا کسی کو بھی خیال نہ اور نہ ہی کسی کے حاشیہ دل میں یہ بات گزری ہو اور پاکستانی تاریخ میں ایسا بارہا ہوتا آیا ہے کہ محض اپنی ذاتی مفاد اور حب جاہ کی خاطر سیاست میں آ کر قدیم دشمنی کی بھڑاس نکال لی گئی پاکستانی تاریخ کے چند صفحات اس کے گواہ ہیں اور یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ جسے پاکستانی ارباب سیاست انکار نہیں کر سکتے خواہ ذوالفقار علی بھٹو، جنرل پرویز مشرف یا پھر میاں نواز شریف ہوں ۔پاکستان کا خواب دیکھنے والوں

نے شاید اس بھیانک اور دلخراش تعبیر کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کی تعبیر ایسی بھی ہو سکتی ہے ہر طرف تشدد، قتل و خوں، مسلکی نزاع، کفر کے فتووں کی گرم بازاری، بھوک اور معاشی بدحالی نے پاکستان کو قابل رحم ملک بنادیا ہے مگر افسوس ان ناگفتہ بہ حالات کے باوجود سنبھلنا اور سنبھل کر قدم آگے بڑھانا اس مملکت خداداد نے کبھی نہیں سوچا بلکہ مزید اس سلسلے میں اپنی مدہوشی اور بد خیالی کا اظہار کیا بلکہ یوں کہہ لیں کہ اپنی فطرت اور جبلت کے موافق یکسر اس اقدام سے انکار کر دیا۔ جمشید دستی کا انکشاف اگر درست اور مبنی بر حقیقت ہے تو پھر پاکستان کو خواہ مخواہ اسلام کے مقدس نام کی ڈفلی بجانا چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ جمہوریہ اسلامی کی تصویر ہر گز نہیں ہو سکتی اور مقدس اسلام کبھی بھی اس کی تعلیم نہیں دے سکتا کہ شراب وشباب کی حرام کاریوں سے محظوظ ہوا جائے۔ اب اس صورت حال میں پاکستانی عوام کیا کرتی ہے کیا اپنا نمائندہ اسی کو منتخب کرنا ہے جو شراب اور زناکاری میں ملوث ہو یا پھر ایسے اشخاص کو منتخب کرنا ہے جو بے داغ اور تمام آلائشوں سے بالکل پاک اور صاف ہو۔

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ملک کے فرقہ پرست عناصر اور تشدد و فرقہ واریت کو اپنا نصب العین تصور کرنے والوں کے ہر دیہ سمراٹ اور ان فرقہ پرست افراد کے ممکنہ وزیر اعظم نیز گجرات میں قتل و خون اور ظلم و استبداد کے ستم نو ایجاد کے موجد و بانی نریندر مودی آج کل ایسی ہذیان گوئی اور لغویات میں مشغول ہیں کہ ہر ایک ذی فہم اور دانشمند درد دل میں مبتلا ہے اگر بات اسی پر ختم ہو جاتی تو غنیمت تھی حیران کن تو یہ ہے دن بدن اپنی اس لغویات اور ہذیان گوئی کے عناصر مکروہ میں اضافہ ہی کرتا جارہا ہے نیز اپنی جاہلیت اور تاریخ سے بالکل ناآشنائی کا احمقانہ مظاہرہ بھی کر رہا ہے ویسے تو یہ قاتل ہوشیار پا لیٹکل سائنس میں گجرات یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویٹ ہے تاہم اس ڈگری کے حامل ہونے کے باوجود بھی جہالت کا سراپا مجسمہ ہے، بھگت سنگھ کو لاہور جیل میں پھانسی دی گئی تھی اور وہ تاریخ ۲۳/ مارچ ۱۹۳۱ء کی تھی لیکن مودی نے ایک عظیم مجاہد کیساتھ یہ مذاق اونا روا سلوک روا رکھا کہ ان کو ایک ہی جملے میں انڈمان بھیج دیا اس قاتل ہوشیار بلکہ صد ہوشیار کی یہ تاریخ سے جہالت دیکھئے کہ اپنے آبا و اجداد کو بھی اپنی اس نا عقلی کی زد میں لے آیا، شیاما پرساد مکھرجی کچھ کے رہنے والے تھے اور ان کی وفات کشمیر میں ہوئی تھی لیکن مودی نے ان

سوئزر لینڈ کے شہر جینوا میں پہونچا کر دم لیا جبکہ اسی مودی نے ۲۰۰۳ء میں ان کی استھیاں منگوائی تھی اسی طرح بہار کی عوام کی خوشامدی اور دام فریب میں لانے کی خاطر مکاری ملاحظہ کیجئے کہ سکندر اعظم کی فوج کو بہار کی سرحدوں تک پہونچادیا۔بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ اس فرمانروائے جہاں کی فوج نے ہر ایک ملک و قوم کو اپنے پاؤں سے کچل کر رکھ دی تھا مگر بہار کے عوام میں اتنی طاقت اور ہمت کہاں سے آ گئی کہ سکندر اعظم کو اپنا سا منھ لیکر واپس لوٹنا پڑا؟ اب مودی کو ہی اس کا جواب دینا ہوگا کہ بہار کے عوام میں اتنی طاقت و جرات کیسے عود کر آئی ؟ الغرض اس شخص قاتل ہزار جاں کی ایسی ہی دل لگی اور پر فریب مذاق ستم کو ملاحظہ کیجئے کہ جہاں ہر طرف امن و سکون اور موسم بہاراں کے جھونکے چلا کرتے ہیں اس مست اور المست باد بہاری میں سمیات کے دخول اور شمولیت کے اپنے فطری تقاضوں کو اس طرح ادا کیا کہ باد بہاری بھی برہم ہو گئی اور فضا بھی اپنی برہمی کا اظہار کر بیٹھی اس بندے نے حسب معمول اپنی جہالت کے بموجب دہشت گردی کی جنت بہار کو قرار دیا۔جب کہ صوبہ بہار دہشت گر دی کیا ہے کس کو کہتے ہیں کون لوگ اس میں شامل ہوا کرتے ہیں، نہیں جانتا اور یہ سرزمین کیونکر جانے گی کہ دہشت گردی کیا ہے اس لیے کہ یہاں ہر ایک فرد اس سماج کش کے خلاف برسرپیکار ہے بلکہ ایک ایسی سرزمین کے افراد ہیں جہاں ہر سمت سے اخوت و مروت اور حب الوطنی کی دلفریب ہوائیں چلا کرتی ہیں اور جہاں کا ذرہ ذرہ محبت اور آپسی اتحاد واتفاق کا مہرتاباں ہے

گجرات کے وزیر اعلی نے جس بیباکی اور بے خوف وخطر صوبہ بہار کو دہشت گردوں کی جنت قرار دیا ہے اس سے نہ صرف جمہوری اقدار کی گردن زنی ہے بلکہ ان تمام تاریخی اور مسلم الثبوت حقائق کو بھی یکث لخت لغو اور باطل قرار دینا بھی ہے کہ بہار ایکث پرامن جگہ ہونے کے باوجود دہشت گردوں کی جائے پناہ اور دہشت گردی کو فروغ دینے والی ہے یہ جگہ اور یہ سرزمین کیونکر دہشت گردوں کو ایکث پرامن اور محفوظ جائے پناہ فراہم کرے گی کہ جس نے ازل سے ہی اپنے دامن میں امن وآشتی کے گلہائے رنگا رنگث کو رکھے ہوئی ہے۔اس قاتل ہوشیار نے بزعم خویش اپنی اس فہم کا اظہار کیا کہ عوام اور بہار کے پرامن اور جمہوریت کو اپنا ایمان تصور کرنے والے افراد اس سے ہوشیار اور بیدار ہو جائیں کہ بہار کی حکومت اور پھر اس صوبہ کے باوقار افراد اور دیگر سیکولر اشخاص اپنی نگرانی میں دہشت گرد اور دہشت گردی کو پھلنے اور پھولنے کا موقع دے رہے ہیں اور ان ناپسندیدہ افراد کو اپنی سرگرمیوں کو پایہ تکمیل تکث پہونچانے کے لیے مکمل حمایت کررہے ہیں ، یہ اس کی صریخ اور بدیہی خود فراموشی ہے کہ سیکولرزم کے حامی افراد اس کے دام تزویر میں آجائیں اور اپنی حمایت اس کو وقف کردیں کیونکہ عوام اور جمہوریت کے پاسباں بغور ملاحظہ کر چکے ہیں کہ بہار کیا ہے اور یہاں کون کون سی سرگرمیاں اور تحریکات جنم لے رہی ہیں اور

یہ صوبہ کس کو اپنے لیے لازمی قرار دیا ہے کہ جس سے محض کھوکھلے دعووں کا دعویدار بہار نہ ہو بلکہ حقیقت اور صد فی صد سچائیوں کا حامل ہو کہ ترقیوں کے اوج ثریا سے ہمدوش کون ہے۔ غلطی در غلطی اور بے بنیاد الزام میں اپنی شاطرانہ مہارت میں عیار مودی نے جس پیرائے میں بہار کو دہشت گردوں کی جنت قرار دیا ہے اس سے یہی ظاہر ہورہا ہے کہ اس پر جو داغ نا محو لگ چکا ہے وہ کسی حد تک خفیف ہوجائے، یہ نادانی ہی ہو گی کہ کسی کو مجرم کہہ کر خود پر بے گناہی اور معصومیت کا پردہ ڈال دیا جائے۔ سیاست اور جاہ و منصب کی افتاد کیسی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مودی نے ان تلخ حقائق کو بھی پس پشت ڈال دیا بہار تو گوتم بدھ کے عرفان کا مرکز ہے یہیں تو مہاویر اور دیگر مذہبی اوتاروں نے لوگوں کو امن و آشتی کا پیغام جاوداں سنایا تھا یہ وہی بہار ہے جہاں مخدوم الملک حضرت یحییٰ منیریؒ نے کفر و شرک کی ضلالت کو چاک کیا تھا اور لا الہ الا اللہ کا پیغام سروش سنایا تھا اور لاریب اب بھی یہاں کی عوام خواہ وہ صاحب اقتدار ہو یا حزب مخالف یا پھر مسلمان ہو یا ہندو کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اسی کو اپنے لیے مشعل راہ خیال کرتا ہے اور یہ بھی کیو ں نہیں کہ جس کی خو اور فطری تقاضوں میں امن اور آشتی سرایت کر گئی ہو وہاں سے امن و سکون کا ہی پیغام ہی ملے گا۔ مودی نے اپنی اسی خو کا اظہار کیا ہے کہ جس خو اور فطری تقاضوں کی وجہ سے گجرات میں انسانوں کے خون سے ایسی ہولی کھیلی گئی کہ تاریخ کا ایک سیاہ

باب کھلائی آخر یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ مودی نے یہ بات کیوں کہی کیا اس انکشاف کے ماقبل ملک کی تفتیشی ایجنسیاں اور اس ذیل میں متحرک و فعال افراد لاعلم تھے ؟یا پھر اپنی اس ہذیان گوئی کے ذریعہ ملک کی تفتیشی ایجنسیوں کی خامیوں کو اجاگر کر رہا ہے کہ یہ ایجنسیاں اور ادارے اپنی فرائض منصبی کو کما حقہ ادا کرنے سے گریزاں ہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مودی نے طوطا چشمی سے کام لیا ہو مگر یہ ادارے اور ایجنسیاں اپنے فرائض کو بخوبی ادا کر رہے ہیں اور جو افراد اس گناہ میں ملوث ہیں ان کو کیفر کردا رتک پہونچا رہے ہیں ۔یہ کیسی ستم شعاری اور مکمل جہالت ہے کہ اپنے دامن تارتار کو ! تو دیکھتے نہیں مگر اوروں پر انگشت نمائی کو اپنا فریضہ گمان کر رہے ہیں

گودھرا سانحہ کے بعد کشت و خون اور لوٹ مار کی جو طرح نو ایجاد ہوئی اس سے ہر بشر واقف ہے کیا یہ دہشت گردی نہیں ؟احسان جعفری کو زندہ نذر آتش کر دیا گیا اور ان افراد کو بھی مرحوم کیساتھ آتش نمرود میں جھونک دیا گیا جو ان کے مکان میں پناہ کی غرض سے آئے ہوئے تھے بار بار فون اور مدد کیلئے فریاد کے باوجود بھی کسی رد عمل کے اظہار کے بجائے خاموشی اختیار کرنا کیا یہ دہشت گردی نہیں ؟

عشرت جہاں کو فرضی تصادم کی نذر کر دیا گیا کیا یہ دہشت گردی نہیں آخر گجرات کے نام نہاد ہیرو اور اگلے وزیر اعظم کے نشہ میں مدہوش مودی کی نظر میں دہشت گردی کیا ہے ؟ کیا اس نے اس کو بھی بھلا دیا کہ ازل سے ہی اس کا دامن تار تار ہے مودی نے بہار پر جو ناز یبا الزام عائد کیا ہے وہ ایک محض سیاسی داؤ پیچ ہے اور اپنی مکروہ ذہنیت کا اظہار ہے کہ اس نے یہ بھلا دیا کہ معصوموں کی چیخ وپکار اس کی نیند حرام کیے ہوئی ہے۔ مودی کا یہ الزام جن امور کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ ذیل ہیں اولاً: یہ کہ مودی نے اسی تقاضوں کو بروئے کار لایا ہے جن تقاضوں کا حکم اس کے آقا کر رہے ہیں کیوں کہ وہ اور ان کے آقا اس امر کو بخوبی سمجھ رہے ہیں کہ جب تک ملک میں فرقہ واریت کی آگ نہ لگائی جائے تب تک ان کے جو انسانیت مخالف عزائم ہیں وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہونچ پائیں گے ثانیاً: بی جے پی صوبہ بہار میں عوامی گرفت اور عوامی مقبولیت سے کوسوں دور ہے اور پھر حکمراں جماعت نے اس کو اقتدار سے بے دخل کر دیا ہے غالباً موجودہ حکمراں جماعت کی ناقص کارکردگی کو اجاگر کرکے اپنی واہ واہی لوٹی جائے اور عوام کا اعتماد حاصل کیا جائے ثالثاً: یہ کہ ملک کی عوام جو اب تک اس خیال کی حامل تھی کہ بہار میں کوئی غیر قانونی سرگرمیاں نیز دہشت گرد سازشیں فروغ نہیں پا رہی ہیں، کو اس کی خبر بھی دینا ہے کہ وہ گمراہی کے شکار ہو جائے، مگر یہ امر باعث اطمینان اور قابل صد رشک ہے کہ سوائے چند معدودے سخت گیر اور متعصب کے صد

فی صد افراد غیر فرقہ واریت اور آپسی اتحاد پر یقین رکھتے ہیں اور ان معتدل فکر کے حاملین کو اسکا بھی ادراک ہے کہ جب تک آپسی منافرت اور باہمی عداوت کا خاتمہ نہ ہو گا ملک ترقیوں کی شاہراہ پر ہر گز ہر گز گامزن نہیں ہو سکتا ویسے تو بی جے پی نے اپنی تمام تر قوت اور کل سرمایہ حسب معمول فرقہ واریت کے زہر گھولنے اور مذہب کے نام پر ووٹ حاصل کرنے میں صرف کر چکی ہے لیکن ان تمام سرگرمیوں اور صرف قوت کا نتیجہ صفر ہی ہو گا کیونکہ عوام کو مذہب اور ذات پات کے لایخل معموں الجھانا کار عبث ہے اور عوام اب مذہبی نعروں سے بالکل تھک چکی ہے کیونکہ یہی مذہبی نعرہ زن اشخاص نے بار بار ان کو اپنے فریب میں رکھ کر استحصال کیا ہے۔

مودی نے اپنے اس بیان کے ذریعہ وہی کیا ہے جو اس کی اصلی خو کیونکہ بہار میں دہشت گردانہ سرگرمیاں سرے سے ہے ہی نہیں اور پھر یہاں کے لوگوں کو اس بیجا کام سے کیا رغبت ؟ یہ مودی کی بد دماغی اور بے ہودہ بکواس ہے کہ بہار کی پاکیزہ سرزمین کو دہشت گردی سے جوڑ دیا، بہار جنت ہے وہ جنت جہاں انسانیت کا احترام کیا جاتا ہے بہار وہ جنت ارضی ہے جہاں اخوت و مروت کی باد بہاری چلا کرتی ہے یقینا بہار جنت، ہے جہاں سے امن و سکون کا درس ملتا ہے بہار جنت ہے جو ملک کو ایک سے بڑھ کر خادم پیدا کر رہا ہے جو ہر ایک محاذ پر ملک کی نگہبانی کیلئے سر بکف ہے۔ مودی نے جس جہنم کدہ کی

بات کی ہے شاید وہ جہنم کدہ جہاں کا یہ بھگوا ہیرو مالک ہے اور اسی بھگوا ہیرو کے قبضہ میں سیاہ و سفید ہے، عیوب و نقائص جب اپنے عروج کو پہونچ جائے تو بالیقین اس کا اظہار ہوتا ہے جیسا کہ آج کل یہ ہردیہ سمراٹ کر رہا۔

صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں

ابتدائے گفتگو قبل جگر مرادآبادی کی رندانہ پیشن گوئی ملاحظہ کیجئے ۔

صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن
صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں
ارباب وطن کو مری جانب سے ہو مژدہ
اغیار کو مجبور سفر دیکھ رہا ہوں
اک تیغ کیچشمک سی نظر آتی ہے مجھ کو
اک ہاتھ پس پردہ در دیکھ رہا ہوں
رحمت کا چمکنے کو ہے پھر نیر تاباں
ہونے کو ہے اس شب کی سحر دیکھ رہا ہوں
بیداری و آزادی و اخلاص و محبت
اک خلد درآغوش نظر دیکھ رہا ہوں
جو خواب کہ شرمندہ تعبیر تھا اب تک
اس خواب کی تعبیر جگر دیکھ رہا ہوں

جگر مرحوم نے ان مذکورہ اشعار کو بلا خیز قحط بنگال سے متاثر ہو کر کہا تھا۔

راقم مرحوم کی روح سے معذرت اور اجازت کے ساتھ ان معنوں کو اشوک موچی کی بیداری ضمیر اور حب الوطنی کیلئے مستعار لے رہا ہے کیونکہ اس شخص نے جس طرح قطب الدین سے اظہار معذرت کیا ہے اور اپنے تمام گذشتہ فرقہ وارانہ سرگرمیوں سے توبہ کی اس سے یہی نتیجہ اخذ ہو رہا ہے کہ فرقہ واریت کی جو باد سموم ہندوستان کے شرق و غرب میں چلائی گئی تھی وہ دم توڑ رہی ہے اور اس طوفان بلا خیز کا مقابلہ براہ راست ہم آہنگی اور حب الوطنی کے کوہ ہمالہ سے ہے نیز یہ بھی عیاں ہو رہا ہے ہندوستان ایک نئے انقلاب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ واضح ہو کہ یہ وہی بدنام زمانہ اشوک موچی ہے جس نے گجرات فساد میں بڑھ چڑھ کر اپنی بھگوائیت اور سخت گیریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نشہ میں آکر ہزاروں معصوموں کو تہہ تیغ کیا تھا میڈیا کیلئے اور قوم مسلم کیلئے جانا پہچانا ہے قارئین بھی اس سے ناواقف نہ ہونگے گاہے بگاہے اردو اخبارات میں جب کبھی گجرات مسئلہ پر گفتگو کی جاتی ہے تو یہ تصویریں بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپی جاتی ہیں اسی زندہ کردار اشوک موچی نے قطب الدین سے معافی مانگ لی ہے۔

سابرمتی ایکسپریس اپنے منزل کی طرف رواں دواں تھی شاید کسی نے سوچا ہوگا کہ گودھرا تک جاتے جاتے ایک ایسا حادثہ رونما ہوگا جو تاریخ کے دامن میں سیاہ دھبہ ہوگا اور تاریخ کے جگر میں بھی داغ ناپید ہوگا جس کی خلش ہمیشہ

محسوس کی جاتی رہے گی اور ایک ایسا درد جسے بھولنا بڑی غلطی ہوگی چند بھگوا مذہبی ہندو سخت گیر اور آر ایس ایس کے متشدد کارندے ڈبہ میں آدھمکتے ہیں گویا یہ شیطان کے کارندے تھے جنہوں نے محض شیر الگایا تھا اور پھر اس کے جو نتائج سامنے آئے بڑے دلخراش ،پرالم اور حیران کن تھے دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ محض چند افراد کی بے ہودہ حرکت کے کیا نتائج سامنے آئے ہیں ذرا اندازہ لگایئے کہ اگر پوری قوم مل کر اس کار بد کو انجام دیتی تو اسکے کیا مضمرات ہوتے ؟ قتل و خون اور مذہبی تشدد کے عفریت نے گجرات کو اپنے سایہ میں لے لیا، خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں ،انسانیت کی حرمت کو پاؤں سے روند کر رکھ دیا گیا تھا، جو کبھی ہم نوالہ اور ہم مشرب تھے وہ خون کے پیاسے ہوگئے ،نہ حرمتیں محفوظ رہیں اور نہ ہی عصمتیں ،بوڑھے ،جوان ،بچے سبھی ''دیوانہ لا الہ'' کو آتش نمرود میں جھونک دیا گیا اور پھر جو تصویر سامنے آئی اس میں صاف نظر آرہا تھا کہ معصوم نہتے کی بے گور وکفن لاش کو کوئی کاندھا دینے والا بھی نہ تھا کجا فاتحہ وسلام ؟ہزاروں مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں میں آلہ قتل تھا اور چند مظلوم و بے کس ہاتھ جوڑ کر رحم کی بھیک مانگ رہے تھے اور لاشیں ظالموں کے رحم و کرم پر تھیں جب کہ یہ اہل ستم محض اہانت آمیز قہقہوں کو اس کا صلہ سمجھ رہے تھے یہ تصاویر ایک طرف ہماری بد اعمالیوں کے نتائج کی مظہر بھی تھیں تو گرگٹ صفت سخت گیر بھگوا پرست کے طاغوتی کارناموں کی آئینہ دار بھی کہ کس حد تک انسانی تقاضوں اور رشتوں کو

پامال کیا جاچکا ہے۔انہیں چند حقیقت نما تصاویر میں سے ایک تصویر اشوک موچی اور قطب الدین کی بھی تھی جو ہاتھ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہا ہے اور اشوک موچی دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرکے ہر نقش توحید کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی قسم کھا رہا ہے اس چنگیزی سانحہ کو گزرے ہوئے بارہ تیرہ سال کا ایک طویل عرصہ ہوچکا ہے مگر دل آج بھی پرالم ہے اور اس واقعہ کی کربناکیوں کی ٹیس محسوس کررہا ہے جگر شق تو ہے ہی اسی درد اور سوز میں سرزمین گجرات سے مخاطب اور نالہ زن بھی :

آہ سرزمین گجرات ! تو ازل سے ہی امن و سکون اور عافیت کا گہوارہ تھی تو نے ہر ایک کو اپنے دامن آشتی میں جائے پناہ دی ہے مگر آج تیرے دامن عافیت اور چادر سکون کو تارتار کردیا گیا اے سرزمین گجرات تم نے ہی عرب کے صحراء کے مکینوں کا استقبال کیا تھا اور دیدہ ودل فرش راہ کئے تھے مگر تیرے آج کے چند ستم شعار لوگوں نے جن کی سرشت تیری سرشت سے متضاد تھی تیرے مہمانوں کے خون کے پیاسے ہوگئے جن ماؤں اور بہنوں کی دیدار کے لیے چاند بھی ترستا تھا ان ماؤں اور بہنوں کی چادر عفت چھین لی گئی اور اس کو اپنی ہوس کا شکار بنا ڈالا تیرے گود میں کھیلنے والے چند معصوم مہمان بچے بھی تھے ان کو بھی نیزوں اور ترشولوں پر بلند کردیا گیا اور ستم تو یہ ہے کہ تیرے سینے پر جو مساجد وخانقاہیں تھیں جہاں عشق ،بے خودی اور اسرار کائنات کے عقدوں کو حل کیا جاتا تھا جہاں ''حق اللہ ھو'' کے نعرہ مستانہ لگا کرتے تھے اور جہاں اخوت

ومروت کے درس دئے جاتے تھے ان کو زمین بوس کرکے عالم گیر آتش بھگوائیت کی نذر کر دیا گیا اب کیا ہے ؟ نہ وہ معصوم مسکراہٹیں ہیں اور نہ ہی وہ جذبہ اخوت سلامت رہا بلکہ ہر طرف نفرت وعداوت ،حسرت ومایوسی اور ہولناک سناٹا ہے اور جن مہمانوں کا تو نے لپک کر استقبال کیا تھا نہ تو آج ان کا نشیمن گلشن میں ہے اور صحراء بھی اس کا شکوہ کر رہا ہے کہ یہاں بھی ان کا کوئی قفس نہیں ہے بلکہ یہ مہمان حالات کے رحم و کرم پر ہیں'' یہ نالہ وفریاد اور پر سوز خطاب نہ تو گجرات کو مائل بہ الطاف کر سکا اور یہ امید کرنا بھی خطا ہوگی کہ ستم شعاروں پر بھی کوئی اثر ہوا ہوگا بلکہ یہ فریاد اور درد خود دل کی دوا بن گئے اور پھر یہ دوا اندمال کی اپنی ناکام سی کوشش کرتی رہی حالات نے رخ پھیرا نفرت کی جو بلا خیز آندھی چلی تھی رک گئی ہر چیز اپنے معمول پر آ گئی مگر تشدد کے ''صنم اکبر'' نے اپنی چال نہ بدلی بلکہ متواتر سر کشی کا مظاہرہ کیا بلکہ مزید اس ذیل میں شدت کا اضافہ کرتا چلا گیا اور حد تو یہ ہو گئی کہ فرعون کے لہجے میں کہہ گیا انا ربکم الاعلی'' شاید اس فرعون وقت نے کو بھلا دیا کہ چند کروڑ صحرائے عرب کے'' مکیں موسیٰؑ کے روحانی اولاد ہیں جو ہزار خداؤں سے بھی الجھ جاتے ہیں اور ناک میں دم کر دیتے ہیں تاہم یہ مسرت اور اطمینان کی بات ہے کہ گجرات فساد کے ضمن میں بدنام زمانہ اشوک موچی نے اپنی بیداریٔ ضمیر کا واضح ثبوت پیش کرتے ہوئے مظلوم زمانہ قطب الدین سے معافی مانگ لی اپنے تمام گناہوں سے توبہ بھی کیا اور محبت کے پھول بھی پیش کئے۔

اشوک موچی جس نے گجرات قتل عام میں اپنی بھگوائیت اور بھگوا ذہنیت کے باعث بڑی ہولناکی اور سفاکی کو انجام دیا تھا اسے نہ تو ہم بھول سکتے ہیں اور نہ ہی غیر جانب دار میڈیا لیکن اس نے جس طرح اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہا اور شرمندہ ہو کر تائب ہوا یہ رد عمل بڑی اہمیت کا حامل ہے اور جس طرح سے اس کے منظر اور پس منظر کا اظہار ہو رہا ہے وہ ذیل کے چند نکات پر مبنی ہے اولاً یہ کہ وہ ضمیر اور دل قتل وخون کی گرم بازاری اور درد ناک دنیا آباد کرتے ہوئے رحم نہ کھایا اب بارہ سالوں کے بعد پسیج گیا ہے اور اخوت وحب الوطنی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے ثانیاً: وہ جس نے گجرات کی ایک تاریخ جو کہ خون خون ہے ،کی بنا رکھتے ہوئے انسانیت کو خاطر میں نہ لایا تھا ایک طویل عرصہ کے بعد انسانیت کی عظمت کا معترف ہے ثالثاً : بقول اشوک موچی اس نے کسی کے بہکاوے میں آ کر ایسا کیا تھا بہکانے والے عناصر کی ساری کوششوں پر پانی پھر گیا اور جو لوگ یہ چاہتے تھے اور چاہتے ہیں کہ ملک میں فرقہ واریت اپنی تمام سرحدوں کو عبور کرلے وہ اپنی کوششوں میں خائب وخاسر ہوگئے رابعاً : درحقیقت اشوک موچی کا یہ حسن عمل خواہ ایک ہی فرد کی جانب سے کیوں نہ ہو فرقہ واریت کے عفریت کو پابہ زنجیر کرنا ہے اور ایک نئے ہندوستان کی بنیاد رکھنا ہے خامساً: اس مذکورہ شخص جو کہ ہندو سخت گیر تنظیموں کا ایک فرد ہے جنھوں نے اس کو مصالحت نیز منافقانہ اخوت کے لیے تیار کیا ہو کہ قوم مسلم میں جا کر

غصہ کی آگ کو ٹھنڈی کرے تاکہ ان کے جو مکروہ اور ملک مخالف ایجنڈے اور عزائم ہیں وہ پورے ہو جائیں اس مذکورہ شخص نے جو بھی کیا تھا وہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے اور جو کچھ اس نے آج کیا ہے وہ بھی زندہ حقیقت ہے مگر اطمینان کی بات تو یہ ہے کہ اس نے اپنے کل گذشتہ سے توبہ کر لی ہے اور اس کا آج بے غبار اور بے داغ ہے۔

آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد اور دیگر اس کی ذیلی تنظیمیں جو کچھ بھی کر رہی ہیں اس سے ہر بشر واقف ہے کہ ملک کو کن حالات میں دیکھنا چاہتی ہیں مذہبی نعروں کے ذریعہ نوجوانوں کو ابھارنا اور بزعم خویش رام نام کی تقدیس کو پامال کرنا نیز مار کاٹ لوٹ کھسوٹ پر آمادہ کرنا ان تنظیموں کی فطرت ثانیہ ہے ملک میں جتنے بھی دھماکے، ہوئے ان میں صد فیصد براہ راست ان تنظیموں کا ہاتھ رہا ہے جیسا کہ اسیما نند کے اقبال جرم سے واضح ہو چکا ہے دھماکے تو ان کے کارندوں نے کئے مگر اپنے گناہ کو اوروں کے سر تھوپتے ہوئے صاف بچ گئے اور ہر بار کی طرح اس بار بھی رٹا رٹایا نام مسلمانوں کا لیا ملک میں فرقہ وارانہ فسادات انہوں نے کرائے اور جہاں تک ہو سکا مسلمانوں کا قتل عام کیا اس کا بھی الزام مسلمانوں پر دھرا بھاگلپور، مؤ، ہاشم پورہ، مرادآباد، مظفر نگر کوسی کلاں اور متھرا نیز دیگر مقامات میں انہوں نے ہی فساد برپا کئے الغرض جتنی، بھی غیر قانونی سرگرمیاں اور ملک مخالف

کاروائیاں ظہور پذیر ہوئیں ان کے پیچھے بھگوا ذہنیت کارفرما تھی کیونکہ ان تنظیموں کے ایجنڈے اور عزائم ہی کچھ ایسے ہیں جو ملک مخالف اور جمہوریت سے یکسر منحرف ہیں کہ جہاں امن و آشتی اور اخوت و مروت کا کچھ بھی شائبہ نہیں ہے بلکہ تشدد ہی تشدد اور نفرت ہی نفرت ہے۔اشوک موچی سابق میں ان تنظیموں کا ایجنٹ تھا جسے فرقہ واریت اور تشدد و قتل پر ابھارا گیا مگر اس نے جس طرح سے اپنی حب الوطنی کا اظہار کیا اس سے دنیائے بھگوائیت متحیر ہے کہ آخرش ایسا کیوں ہوا؟ گویا برق سی گر گئی ہے اور جن تنکوں پر ان کا آشیانہ تھا اسے برق نے جلا کر خاکستر کر دیا کل ان صیاد نے عندلیبوں کا نشیمن اجاڑا تھا آج خود ان صیادوں کا گھر اپنوں کے ہاتھ ہی لٹ رہا ہے جگر مرحوم بھی کیا کہہ گئے ۔

صیاد نے لوٹا تھا عنادل کا نشیمن
صیاد کا لٹتے ہوئے گھر دیکھ رہا ہوں

معمے نہیں ہیں یہ سمجھانے والے !!

سیاست کی افتاد بھی کیسی ہے کہ اس جہان نشاط نو میں ہر ایک شخص آنا چاہتا ہے اور اسکی شدید خواہش بھی ہوتی ہے کہ شام و سحر اسی نشاط اور کیفیت میں گذرے تاہم تمام خواہشات ساحل بکنار ہوں یہ ممکن نہیں اور وجہ بھی صاف ظاہر ہے لیکن یہ تو رند طبع کی آوارگی ہی کہہ لیں کہ ناممکنات کی تحصیل اور جستجو میں دنیائے طلب کو آباد کیے ہوئے ہیں۔ سیاست کبھی شریفوں اور لائق و فائق حضرات کا میدان رہی ہو مگر آج کی سیاست تو ایسی ہو چکی ہے کہ ہر قسم کے نااہل اور جمود و تعطل کے شکار افراد اس کو اپنی پناہ گاہ خیال کرتے ہیں اور حقیقتہ واقعہ بھی یہی ہے کہ جس کو ملکی اور قومی مسائل سے کوئی دلچسپی نہ ہو اور اس کے ذیل میں کوئی سنجیدگی بھی نہ ہو تو وہ اس میدان کو اپنے لیے موزوں خیال کرتا ہے اور شہرت و ناموری کیلئے لاکھ جتن اور کوششیں کرتا پھرتا ہے۔ سیاست تو ملکی و قومی مسائل کے حل اور پیدا شدہ اشکالات کے رفع کی غرض سے کی جاتی تھی لیکن آہ ! خیرہ مذاقی اور لذت کام و دہن کی ایسی نامعقول افتاد آن پڑی کہ وہ لوگ جو کبھی پردہ سیمیں تک ہی محدود تھے اور جن کا مشغلہ طبع تفریح اور وقت گذاری تھا وہ بھی اس میدان کے ہیرو بننے کی تمنائے ناتمام اور حسرت بیداد میں غلطاں

پیچاں ہیں۔ اب ذرا خیال کریں جب گلیمر کا رشتہ سیاست کی تلخ نوائیوں سے مربوط ہو نے لگے تو اس صورتحال میں سوائے سیاست و جمہوریت پر ماتم و سینہ کوبی کے کیا کیا جاسکتا ہے کیونکہ گلیمر کی دنیا تو محض کافرانہ اداؤں، حسن و شباب، رخ گلفام اور جام توبہ شکن کی متزلزل بنیادپر قائم ہے جب کہ سیاست تو تمام فسانوں کو فراموش کرکے حقیقتو ں کی تلخ کامیوں کو مستحکم و پائیدار بنیادوں پر ہے اور ان ہی حقیقتوں کی حق الواجب شناسائیوں کی وساطت سے ہی اس دنیاکے کارہائے دراز طے ہوتے ہیں اگر ان میں ذرا بھی نفاق اور ریاکاری ہو تو تمام سیاسی اقداراور جمہوری بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور جن تنکوں پر اس کا آشیانہ ہوتا ہے وہ ہواؤں کے رحم و کرم ہوتا ہے۔ آہ! ہندوستانی سیاست بھی کیا عجیب شی ہے کہ تمام تر زریں اصول کو یک لخت فراموش کرکے محض اپنے مفاد اور رجاہ پرستی کی خاطر ملک و قوم کی عزت اور اپنی تہذیب و تمدن کو چند شو رش پسند 'مسخروں' کے حوالے کیاجارہا ہے کہ اب یہی ملک و قوم کے مستقبل کے لیڈر ہونگے کہ جن کی زندگی خود سیاہ شب میں تیرگی کا لبادہ اوڑھ چکی ہے اور سرتاسر حقائق سے طوطا چشم بھی۔ کیا یہ سیاسی مجبوری ہے یا کوئی اور کوئی نامعقول عذر؟ یہ تو ستم شعاری نہیں تو کیا ہے کہ اس سیاست اور فکر بنائے قوم کو ورطہ بے فکری میں محو کرنے کی خاطر 'راکھی ساونت' کے ٹھمکے لگوائے جائیں اور پھر نوجوانوں کے حواس باختہ کردینے والی فلمی جلوہ گری ہو تو کیا ملک کے نازک اور اہم عصری

تقاضوں کو عزم محکم کے ذریعہ پورا کیا جاسکتا ہے؟ یہ بدنام زمانہ راکھی ساونت اس عالم 'تلخ رسا' میں تنہا ہے بلکہ اس جیسے کئی اور بھی دیگر افراد ہیں جو کسی نہ کسی سیاسی جماعت کے سر کے تاج ہیں اور اپنے مشہور راداؤں کے ذریعہ عوام کو لبھانے اور سیاسی وعدوں کے فریب میں الجھا کر ووٹ کیلئے متحرک و سرگرم ہیں اور یہ سیاسی جماعت بھی خوب ہے جو کسی نہ کسی طرح سے فلمی شہرت کو بروئے کار لانا چاہتی ہے بعض کو ٹکٹ دے کر اس 'میدان کارزار' میں بغیر ساز و سامان اتار بھی دیا ہے۔ اس جرم میں کوئی بھی سیاسی جماعت پاک نہیں خواہ وہ طفل مکتب عآپ ہی کیوں نہ ہو جس کو اپنے اس عزم اور امید نا موہوم پر کامل یقین ہے کہ وہ سیاست کرنے کیلئے نہیں آئی ہے بلکہ سیاست میں پھیلی گندگی کو اپنے جھاڑو سے صاف کرنے آئی ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ نو رائیدہ جماعت سیاست کے کھیل کو بگاڑنے آئی ہے اور ستم تو یہ ہے کہ بعض سیکولر اور ہوشمند قسم کے افراد بھی اسکے دام فریب میں آچکے ہیں۔ راقم ایک بار پھر وضاحت ضروری سمجھتا ہے کہ یہ جماعت ایک آوارہ ہوا کا جھونکا ہے جو صرف اور صرف سیاسی بازی گری کا لطف لینے آئی ہے الغرض تمام سیاسی جماعت ایک ہی حمام میں عریاں ہیں اگر اس ذیل میں عقل و ہوش اور فکر ہوتی تو یقیناً اس گلیمر کا سہارا نہ لیتی مگر آہ!

سیاست کے اصل معنی مفقود ہو گئے اور اس کی جگہ ذاتی مفاد اور خود پسندی نے لے لیے ایک طرف جہاں اس کے معروف فلمی چہرے اپنی سابقہ جگہ پر برقرار ہیں تو بعض نئے نئے چہرے بھی

از راہ نفاق شامل کر لئے گئے ہیں۔ شتر و گھن سنہا کو پٹنہ صاحب سے ایک بار پھر ٹکٹ دیا گیا ہے تو وہیں اپنے زمانہ کی ڈریم گرل ہیمامالنی کو متھرا سے اتارا گیا ہے کہ وہ ایک بار پھر اپنے حسن ہائے شعلہ شرر سے نوجوانوں کیا نگ پیری کو بھی مدہوش کر کے ووٹ حاصل کر لیں اب ذرا اس گلیمر کی کشاکشی چنڈی گڈھ میں ملاحظہ کریں کہ جہاں ایک طرف گل پناگ عام آدمی کے ٹکٹ پر اپنی جلوہ فروشیوں میں مصروف ہے تو وہیں کرن کھیر بھی غیرت حسن تصور کر کے دو دو ہاتھ کرنے کیلئے تیار ہے ایسا کچھ بھی نہ ہوتا اگر ہمارے ملک کی سیاسی جماعت قوم و ملک کے مسائل کے تئیں متفکر ہوتی ۔امیٹھی کو لوگ اس وجہ سے جانتے ہیں کہ یہ کانگریس کا مضبوط قلعہ ہے جہاں کسی مولا تو کجا شاہین کو بھی پر مارنے کی جرات نہیں لیکن براہ راست راہل سے مقابلہ کرنے کیلئے ٹی وی اداکارہ سمرتی ایرانی آ کھڑی ہوئی ہے کہ لوگ خواہ فلاحی کاموں کو دیکھ رہے ہو ں مگر ان عقل و ہوش کے دیوانوں کو مدہوشی اور حواس باختگی کی ایسی پر آشوب مے دینے کو تیار ہے کہ لوگ یہ بھی بھول جائیں کہ اصل واقعہ کیا ہے اور کون ہمارے ووٹ کا مستحق ہے گویا سمرتی ایرانی ساقی گری کیلئے بالکل تیار ہے کہ ان رندان کہن و نو کو ایک ایسی تلخ مے دوں کہ وہ بہکیں ہی نہیں بلکہ بہک کر اپنے وجود غم سے آزاد بھی ہو جائیں۔ اسی طرح پردہ ، سیمیں کا مسخرہ اعظم پریش راول اپنے تمسخر کا زندہ کردار ادا کرنے احمد آباد سے تیار ہو گیا ہے کہ ''ہیرا پھیری'' کرتے کرتے ہیرا پھیری کی زندہ

تیسری کاپی تیار کرے ۔ویسے یہ حقیقت ہے کہ یہ تمام مسخرے اگر اس جنگ کی بازی مار بھی لیتے ہیں تو اصل میدان میں ابتدا ہی اپنی بے بسی کوتاہ قدمی ،اور پست ہمتی کا مکروہ اظہار کردیتے ہیں کیونکہ ان مسخروں کو اصل سیاست کا ادراک بالکل بھی نہیں کہ یہ جہاں کن جگر فروشیوں سے معمور ہے۔

اس سیاسی کھیل میں صرف گلیمر ہی نہیں شامل ہے بلکہ کرکٹ کے ستارے بھی ہیں جو کسی نہ کسی طرح سے یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ایک عدد سیٹ مل جائے اور وہ بھی ملک و قوم کے کام آسکیں کرتی جھاآزاد ،نوجوت سدھو اور اظہرالدین تو سیاسی جماعت کے اہم اور خاص رکن ہیں تاہم کانگریس نے اس ذیل میں کچھ زیادہ ہی شاطرانہ سرعت دکھائی کہ کرکٹ کے میدان میں اپنی چست اور برق رفتار فیلڈنگ کیلئے مشہور محمد کیف کو پھو لپور کیلئے ٹکٹ دیا تاکہ وہ اپنی برق رفتاری کی خداداد صلاحیتوں کے باعث ووٹ کو لوٹے ہی نہیں بلکہ کیچ کرلے اور جو ووٹ حزب مخالف کے حق میں جارہے ہیں ان کو یک لخت ''ڈرائیو''لگا کر اپنی جھولی میں بھرلے۔ عموماسا ستداں شاطرانہ سوچ و فکر کے ہو تے ہیں مگر محمد کیف میں کچھ ایسی بات نہیں جو ان کو سیاست داں ثابت کرتی ہو بلکہ ایک معصوم اسکولی طالب علم کی طرح جو کہ صرف اتنا جانتا ہے کہ صبح ہوتے ہی نہا دھوکر اسکول جانا ہے اور پھر گھرآکر ہوم ورک کرنا ہے ،ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ محمد کیف باطنی طورپر ہوں مگر ظاہرا اپنے کو معصوم دکھارہے

ہوں محمد کیف برسوں سے آؤٹ آف فارم چل رہے ہیں اور متعدد نوجوان کھلاڑیو
ں کے ٹیم میں آجانے کے باعث ٹیم سے باہر ہیں ان کو اس کا افسوس بھی ہے اور ان
کے مداحوں کو بھی لیکن یہ، خیر ہے کہ وہ ایک نئی پاری کھیلنے کو تیار ہیں ان کے
پرستار یہ دعا کر رہے ہیں کہ یہ اننگ لمبی ہو اور 'بولڈ' یا 'کیچ' ہونے کی افتاد سے پاک
رہیں۔ ویسے گیمر اور کرکٹ کا سیاست میں آنا بڑی بات نہ ہوتی مگر یہ وہ سیاست ہے
کہ جہاں جمہوریت تو محض ایک ڈھونگ ہے بلکہ مذہب پرستی، مفاد پرستی، فرقہ پرستی
اور نہ جانے کون کون سی پرستیوں کا ایک طوفان بدتمیز برپا ہے اور اس کے خوفناک
و مہیب بازی کھیلی جارہی ہے کہ جہاں جمہوریت اور اکثریت صرف اور صرف عددی
طاقت کی اکثریت پر قائم ہے اور اقتدار سازی صرف اور صرف ووٹ کی اکثریت کر
تی ہے۔ بناء بریں خوفناک صورتحال یہ ہے کہ اس سے ووٹ مجتمع نہیں ہو سکتا اور جس
امر کیلئے جمہوریت کا شوالہ ہر پانچ سال کیلئے آراستہ ہوتا ہے وہ آراستگی بدنظری کی شکار
ہو جائے گی اور سارے جمہوری اقدار اور ہندوستانی روایت پس پردہ ہی رہ جائے گی
۔ذرا خیال کریں کیا اس عظیم بھارت کے تمام غارت گر عناصر باہم متحد نہیں ہوگئے ہیں
وہ افراد جن کو یہ زعم ہے کہ وہ ''بھارت ماتا'' کی خدمت کیلئے اپنی زندگی وقف کر چکے
ہیں کیا وہ اس کے چپہ چپہ کو تقسیم کردینے پر آمادہ نہیں ہیں ؟آر ایس ایس اور دیگر سخت
گیر ہندو مذہبی تنظیمیں کیا اس پر کمربستہ نہیں ہیں کہ اس دھرتی کو ان افراد سے پاک
کر

دیا جائے جنھوں نے اس ''بھارت ماتا'' کے حسن ازلی میں اپنی شبانہ روز اور لازوال خدمات کے ذریعہ قابل صد رشک اضافہ کیا تھا اگر وہ بھارت ماتا کے سچے خادم ہیں تو پھر وہ فرقہ پرستی پر آمادہ کیوں ہیں ؟وہ مذہب کے نام پر ووٹ کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟آخر وہ نوجوانوں کو مذہبی غیرت دلا کر چراغ پا کیوں کرتے ہیں ؟سوالات تو لاکھوں ہونگے مگر ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ ان کو محض اپنے مطلوبہ ووٹ کے اہداف کو حاصل کرنا ہوتا ہے اور ان کو اسی سے خاطر تعلق ہے مذہبی رنگ اور نعرے تو محض یہ ڈھونگ ہیں جس کے توسط سے ووٹ حاصل کیا جاسکے بی جے پی نے اپنے انتخابی منشور میں ان ہی چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے جو اس کا ازل سے ایجنڈہ ہے اور ہمیشہ سے جن چیزوں کی طرف نشاندہی کرتی آرہی ہے پھر آخر اگر ہم یہ درست مان بھی لیں تو بھی از روئے قول خود بی جے پی وہ بھارت ماتا کے دشمن ازلی ہیں کہ بھارت کو سب سے بڑا خطرہ ان ہی سخت گیر مذہبی جنونیوں سے ہے۔خدام وطن اگر یہ سوچ لیں کہ ہمیں انسانیت اور ہندوستانیت کیلئے کام کرنا ہے تو میرے خیال و تصور سے بھارت کیلئے یہ نیک شگون ہے مگر ہائے رے بد نصیبی !ان سخت گیر مذہبی جنونیوں کی فطرت ان اصول کے منافی ہے۔

یہ فلمی لٹکے جھٹکے اور حسن شعلہ نفس کا بھی اس سیاست کی خاردار وادی میں استقبال ہے کہ آخر ان کے دل میں بھی مادر وطن کی محبت بیدار ہو گئی اور وہ

بھی ملکی تنزلی کے سد باب کیلئے کمر بستہ ہو گئے لیکن افسوس اس عظیم بھارت کی بد قسمتی کہ یہ لوگ خود اپنی مرضی اور حسن خیال کے بموجب نہیں آئے ہیں بلکہ ان کو سیاست میں لایا گیا کہ سیاسی رنگ و روغن میں فلمی تڑکہ لگایا جائے اور ان اسٹاروں کی مقبولیت کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ آخرش مرحوم جگر مرادآبادی کا یہ مصرع ان لوگو ں کیلئے مفید کام کر گیا کہ

معمے نہیں ہیں یہ سمجھانے والے

مودی تو بنام سیکولرزم جیت کس کی؟

۱۶/واں لوک سبھا انتخاب ایک لفظی جنگ اور دھمکیوں میں بدل گیا ہے اور یوں محسوس ہو رہا ہے کہ یہ عام انتخاب بجائے اقتدار سازی اور جمہوری آئین کے تحفظ کے ایک جنگ میں تبدیل ہو گیا ہے آئے دن رونما ہونے والے سیاسی واقعات سے جمہوری آئین کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں تو وہی سیاسی رقابت اور دشمنی اپنے شباب پر ہے۔ اگر ہم لفظی جنگ اور باہمی بیان بازی کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت بالکل عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ عام انتخاب جہاں لفظی جنگ، بیان بازی، ہتک عزت کا آئینہ دار ہے تو وہیں اس تلخ حقیقت کی بھی نمو ہو رہی ہے یہ ایک 'دھرم یدھ' ہے۔ الیکشن کمیشن نے اس ذیل میں اپنی جانبدارانہ سرعت دکھائی اور عمران مسعود کو فوراً جیل پہونچا دیا کیوں کہ انھوں نے اصول کی خلاف ورزی کی تھی اور ایسا بیان دیا تھا کہ جس سے عوام مشتعل ہو سکتے تھے اور تمام جمہوری اقدار کو ٹھیس بھی لگ سکتی تھی لیکن اسی الیکشن کمیشن کی یہ بھی دورخی پالیسی اور ذوالوجہ خاموشی دیکھیں کہ مودی کے دست راست ایک بار پھر فساد کی آتش نمرود کو ہوا دینے میں لگے ہیں کیا یہ درست نہیں ہے کہ امیت شاہ کے اس اشتعال انگیز بیان سے الیکشن کمیشن کے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے ؟اگر جواب ہے تو پھر الیکشن

کمیشن کس جہان فریب میں مست ہے۔ عمران مسعود نے جو کچھ بھی کہا اگر وہ ویڈیو کلپ درست ہے تو یہ برا ہے کیونکہ یہ ضابطہ اخلاق کے بالکل منافی ہے اور پھر جمہوری ملک اور اس کے مرتب شدہ آئین اس کی اجازت نہیں دیتے عمران مسعود کو تو جیل کی ہوا کھانی پڑی اور ان کو سزا بھی مل چکی ہے مگر افسوسناک صورتحال تو یہ ہے کہ اس کے باوجود فرقہ پرستوں کے دل کی بھڑاس نہیں نکلی آخر وسندھرا راجے کی یہ دھمکی کس امر کی غماز ہے ”کہ الیکشن کے بعد معلوم ہوگا کون کس کو کاٹے گا“ کیا اس سے ضابطہ اخلاق کی شکنی نہیں ہو رہی ہے ہماری حیرت اور ہمارا یہ اضطراب بھی کس قدر درد انگیز ہے کہ ہمیں تو ملک عزیز کی سلامتی اور امن عزیز ہے لیکن چند روسیاہ اور بدباطن جو اس پر آمادہ ہیں کہ چند کروڑ مسلمان کا سیاسی جغرافیہ بھی بدل دیا جائے اور رہی سہی رمق جو ان کے کمزور جسم میں ہے اس کو بدحواسی اور بے گانگی کی نذر کر دیا جائے وہ تمام شعور وادارکات سے یکسر محروم ہیں۔

آخر ناصحین و واعظین کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں کہ یہ ملک جمہوری ہے اور یہاں صرف اور صرف جمہوری فضا ہی قائم ہو سکتی ہے لیکن فرقہ پرستی اور ہندوتو بلکہ مودی توکے نشہ بے خودی میں مست ان دیوانگان بے عقل کو کیسے بات سمجھ میں آئے گی کہ یہ جمہوری ملک ہے اور اس کے قیام و نفاذ میں تمام مذہب اور ملت کے لوگوں نے دوش بدوش قربانیاں نذر کی ہیں شاید اس

ذیل میں کوئی مثبت جواب مل پائے کیونکہ مودی تو کا نشہ اور جنون اس قدر سرایسمہ ہو چکا ہے کہ عقل و ہوش کی باتیں بھی بری معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ان کی سرشت میں مودی توکی وارفتگی حلول کر گئی ہے اور ہر بن مو سے ہر ہر مودی کا نعرہ مکروہ کا پیہم اظہار ہو رہا ہے !

وسندھرا راجے کا یہ بیان اور اس سے ماخوذ نتائج کی طرف غور کریں تو یکلخت چیخ نکل جائے گی، سینہ شق ہو جائے گا اور عقل بیگانی ہو جائے گی آخر وسندھرا راجے کے ذہن میں کون سا مرتب شدہ جامع پروگرام ہے جس کے باعث الیکشن کے بعد نمٹ لینے کی دھمکی دی جارہی ہے ؟کیا پھر گجرات اور مظفر نگر جیسے ہولناک اور کربناک واقعات کی از سر نو تجدید کی جائے گی ؟کیا ملک کے وہ سیکولر لیڈر جو ملک کے امن و امان اور بقائے باہمی بلکہ جمہوری مذہب کی پیروی کرتے ہیں ان کی گردنیں ہندوتو اور مودی توکی دیوی کی بارگاہ میں بھینٹ کردی جائے گی کیا وہ جمہوری آئین جو آج بھی مسلم الحقائق پر مبنی ہیں ان کی نظر میں فرسودہ اور زرنگ آلود ہو گئے یہ ان کی نظروں میں ہو سکتا ہے مگر یہ تو ان کا دماغی خلل اور نقصان ہے پھر مودی تو کا نشہ بھی تو کچھ کام کریگا اس کی بھی کارفرمائی ہونی چاہیے !وسندھرا راجے نے از خود یہ بزم جدال نہیں سجائی ہے اور نہ ہی اپنی خوشی اور رغبت سے ساقی گری کیلئے تیار ہوئی ہے بلکہ یہ ان کی جماعت کے سرکردہ لیڈران ،آر ایس ایس اور

پارٹی ہائی کمان کی طرف سے رٹی رٹائی بات اور تند تیز اور تیشہ زن لب و لہجہ ہے ورنہ اس 'ناری' کو ضرورت ہی کون سی آن پڑی تھی کہ وہ اس نارجدال میں کود پڑے۔

مظفر نگر میں جو بھی ہوا گجرات کے بالکل مشابہ ہے تمام انسانی تقاضوں اور حرمتوں کو پامال ہی نہیں کیا گیا بلکہ بے حرمتی اور پامالی کی ایک طرح نو اور داستان پر دردرقم کی گئی کہ زمین بھی کانپ گئی اور فلک بھی تھرا گیا خدا خدا کرکے ماحول پر سکون ہوا ہے لیکن جو زخم لگ چکے ہیں وہ شاید مندمل ہوں اب اسی زخم پر نمک پاشی کی سفاکیت دیکھئے کہ مودی کے دست راست امیت شاہ پھر جاٹوں کو قتل و خون پر آمادہ کر رہے ہیں کہ متوقع الیکشن جاٹوں کیلئے ایک موقع فراہم کر رہا ہے کہ جس کے ذریعہ بدلہ لیا جاسکتا ہے اور اس کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے امیت شاہ یہ بھول گئے کہ الیکشن کے دوران کسی خاص طبقے کے خلاف منافرت پھیلانا اور جذبات کو برانگیختہ کرنا جرم ہے آخر ایسے موقعوں پر الیکشن کمیشن کیونکر جانبداری سے کام لیتا ہے؟ امیت شاہ علی الرغم یہ امید رکھتے ہیں کہ اگلی سرکار مودی سرکار ہوگی لیکن آخر وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ آج بھی ملک کی عوام کی اکثریت سیکولرزم کو ہی اپنا مذہب قرار دیتی ہے اور ان کا اپنا ایمان آج بھی یہی ہے کہ اگر ملک کی سالمیت ہے تو وہ صرف اور صرف سیکولرزم اور آپسی اتحاد میں ہے لیکن یہ

ان کی ہٹ دھرمی ہے کہ بار بار مذہبی نعروں اور آپسی انتقام کے ذریعہ ووٹ لینا چاہتے ہیں آخر یہ بھی کوئی حربہ اور سیاسی ہتھکنڈہ ہے ؟ جب کہ وہ ترقی کے نام پر گجرات ماڈل کا نمونہ پیش کرتے ہیں کہ گجرات جیسی ترقی اب ہندوستان کی تقدیر کا ایک نیا عنوان لکھے گی اور وہ لوگ جو دبے کچلے ، بے روزگار ہیں ان کو ترقیات کی اعلی سطح تک لایا جائے گا لیکن جس طرح سے مودی کے گجرات کی حقیقت کھلی مدعیان ترقی بھی حیرت بداماں ہو کر رہ گئے کہ ہمارے دعووں اور کھوکھلی حقیقتوں کا اس طرح جنازہ نکلے گا اور پھر گجرات کی ترقی جگ ظاہر ہے کہ وہاں ترقی کی رفتار کیا ہے ؟ مودی اور اس کے حواری جس ترقی کی بات کرتے ہیں اسکی رفتار صفر ہے گجرات میں ترقی اور شادابی کی اصل کہانی یہی ہے کہ وہاں کا ذرہ ذرہ خون مسلم کی ارزانی کا قصہ دل فگار سنا رہا ہے کہ ترقی کس چیز کی ہوئی ہے اور ترقی کے معنی مودی کی نظر میں کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مودی پورے ملک کو اپنا 'گجرات' بنانا چاہ رہا ہے اور اسکی تمام سرشتہ امیدوں کو عملی جامہ بھی پہنایا جارہا ہے اور جو کچھ بھی اس کے دست راست نے مظفر نگر میں کہا اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ کون مظفر نگر کے پر ستم داستان کا مجرم ہے کون اسکے خالق او ر 'رچناکار' ہیں کن لوگوں کے اشارے پر یہ ہلاکت آفرینی اپنی ایک نئی روداد بیان کر رہی ہے ؟ جس طرح سے امیت شاہ نے اپنی ہذیان گوئی کا مظاہرہ کیا ہے اور اس پر کوئی نکیر نہ کی گئی ہے تو الیکشن کمیشن کے مقررہ معیار پر

سوالیہ نشان لگ گیا ہے اور اس پر قائم اعتماد کو جھٹکا لگا ہے۔ عمران مسعود کو فوراً سلاخوں کے پیچھے کیا گیا لیکن وسندھرا راجے اور امیت شاہ کو کیوں نہیں گرفتار کیا گیا کیا یہ فرقہ پرست اور 'رمودی تو' کے جنون میں مبتلا لوگ یوں ہی جذبات کو مشتعل کرتے رہیں گے اور کمیشن محو تماشہ رہے گا؟ یاد رہے کہ گذشتہ عام انتخابات کی تشہیر اور انتخابی مہم کے دوران ورون گاندھی بھی اس طرح کے بیانات کے ذریعہ بی جے پی کی مٹی پلید کر چکے ہیں لیکن اس بھگوا گاندھی کی گرفتاری بھی عمل میں نہیں آئی تھی آخر کیوں ایسا ہوتا ہے کہ فرقہ پرست کھلے عام کاٹ اور مار کی بات کرتے ہیں اور کمیشن اس کو نظر انداز کرتا رہا ہے کیا یہ بے لگام سیاسی بھگوا لیڈر کی حوصلہ افزائی اور تشجیعی خاموشی نہیں ہے اگر ایسا ہے تو پھر الیکشن کمیشن کا وجود چہ معنی دارد؟

ایک طرف جہاں امیت شاہ ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑا رہے ہیں تو دوسری طرف وسندھرا راجے اس بازی میں سبقت لے جانے کی فکر میں ہے آخر اس بوالعجبی اور خلل دماغی کی وجہ کیا ہے جب اس کے مضمرات کی طرف دیکھتے ہیں تو یہی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کو مذہب کے نام پر جتنا کسایا جائے کم ہے اور اس دام فریب کے ذریعہ ووٹ حاصل کیا جائے یہ ان کی مسخ فطرت کا مظہر ہے کہ ان کے تمام تصورات عملی جامہ سے ملبوس ہوں یہ ان کی پست سوچ اور گمراہ فکر کی

بدترین تصویر ہے کہ وہ اس خیال میں غلطاں و پیچاں ہوں کہ ووٹ ان کو مل جائے گا اور یک لخت اقتدار کی کرسی پر قابض ہو جائیں گے آہ! کیسے یہ فطرت کے مسخ شدہ لو گ ہیں جو اپنا ایمان اور ایقان فرقہ پرست سوچ پر رکھتے ہیں عض کی صورت مسخ بھی ہو گئی ہے دل تو کب کا مسخ ہو چکا تھا اور وہ اپنے فطری تخلیق سے کوسوں دور ہیں اگر ان کے ضمیر کی آواز دل میں گونج رہی ہے تو پھر کیوں یہود کی صفت اختیار کر چکے ہیں ۔اب تو ہماری بیدار عوام فیصلہ کرے گی کہ مودی تو کی فرضی لہر اور فرضی قصوں کا کیسے مقابلہ کیا جائے گا اور کس طرح ان کے عزائم کو تباہ و برباد کیا جائے گا عوام کا دل زندہ ہے، سوچ مغلوب سے عاری ہے اور فکری لیاقتیں پایندہ ہیں کچھ لمحے انتظار کیجئے فیصلہ آپ کے سامنے ہو گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

ساقیا ! ایک نظر جام سے پہلے پہلے

عام انتخابات مختلف مراحل میں منعقد ہو رہے ہیں اور رائے دہندگان کا اس ذیل میں جوش و خروش بھی قابل دید ہے حتی کہ ۸۵/فیصد ووٹنگ کی خبریں بھی موصول ہو رہی ہیں گویا ہندوستانی عوام کی فہم و عقل میں جمہوریت کے اصل معنی ایک تصویری شکل میں آ گئے اور یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ جب تک اس ذیل میں عوامی دلچسپی سرگرم نہ ہوں یہ ایک بھول ہی ہو گی کہ صاف و شفاف اقتدار سازی ہو گی کیونکہ وہ تمام اجزائے ترکیبی جو جمہوریت کے منافی ہیں باہم مل چکے ہیں اور یہ اتصال دیوانہ وار نہیں بلکہ منصوبہ بند کوششوں کا لازمی نتیجہ ہے بناء بریں ایک سچے ہندوستانی پر یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنے حق رائے دہی کا درست استعمال کرے۔ جہاں تک سیکولر ووٹ کی ہے تو اولا اس امر کا ذہن نشیں ہو جانا ضروری ہو گا کہ فرقہ پرست اور 'ہندوتوا' کے جنوں میں مست لوگوں کے ووٹ کافی حد تک بی جے پی کے حصہ میں جا چکے ہیں او ران عقل و ہوش سے بیگانے افراد کا تصور یہی ہے کہ جب تک مودی صاحب اقتدار نہ ہو جائے انکے جو دیو مالائی خواب ادھورے ہیں وہ پورے نہیں ہو سکتے بلکہ خواب کا خواب ہی رہ جانے کا قوی اندیشہ ہے تاہم یہ مسرور کن خبر ہے کہ بی جے پی کے سینئر لیڈر نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ 'ملک میں مودی کی لہر نہیں ہے

یہ ان کا اعتراف ہے یا پھر قبل از وقت اپنی شکست کا اعتراف کرکے جمہوریت اور سیکو'
لرزم کی بے تابانہ پابوسی کیونکہ یہ ''فی طغیانہم یعمھون'' کی صوری تفسیر یہ جان چکے
ہیں کہ جمہوری اقدار کی بحالی عمل اشتراک سے ہے اور اسی وجہ سے اس سرزمین کو
بھارت 'کہتے ہیں لیکن پھر بھی ازلی سرشت کا مظاہرہ ہونا یا کرنا یہ ان کی اپنی سوچ اور'
فکر ہے اور یہ ہو بھی کیوں نہیں کہ وہ اپنی کم بختی و حرماں نصیبی میں اس حد تک بلکہ
! اس مقام تک پہونچ گئے ہیں کہ وہ خود ''ذہب اللہ بنورہم'' کی سراپا تصویر ہیں
جمہوریت کے سب سے بڑے تیوہار اور جشن کی تقریب منعقد ہونے میں صرف اور
صرف چند ایام رہ گئے ہیں اس کی تیاریاں شباب پر ہیں ہر ایک طرح کی کوششیں جاری
ہیں کوئی وعدوں اور دعووں کے سبز باغ دکھا رہا ہے تو کوئی اپنی سابقہ مثبت سرگرمیوں
کے عوض ووٹ مانگ رہا ہے اگر دیکھا جائے تو بادی النظر میں یہ عیاں ہوتا ہے کہ
انتخابی تشہیر یا انتخابی مہم بازی طفل کی طرح ہے کوئی کسی کو لالی پاپ کا وعدہ دے رہا
ہے تو کوئی اس امر پر مصر ہے کہ ووٹ ملے خواہ کچھ بھی کرنا کیوں نہ پڑ جائے بچوں کے
کھیل میں کچھ شرارتی قسم کے لڑکے بھی ہوا کرتے ہیں جو دست و گریباں اور راٹھا پٹخ کی نو
بت تک پہونچ جانے میں دریغ نہیں کرتے اور کھیل میں اپنی طاقت کا رعب جما کر
رائے اپنی حمایت و تائید میں کر لینے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں بعینہٖ یہی صورتحال
اور تصویر زار زار فی

الوقت ہمارے پیارے ملک کے زعم کجرو میں غلطاں سیاسی لیڈران کی ہے جو محض ووٹ کیلئے بچکانہ حرکتیں بھی کرجاتے ہیں اور بعض دفعہ باہم دست و گریباں بھی ہو نا اپنے لیے موجب خیر تصور کرتے ہیں اگر کچھ عقل و فہم ، سوچ وتدبر سے کام لیں تو تصویر کچھ مختلف ہو گی لیکن اس عالمگیر خیرہ مذاقی کی افتاد پر ماتم کیاجائے یا پھر کچھ او ر؟ حالات خواہ کتنے بھی برے کیوں نہ ہو جائیں لیکن ملک کی سلامتی اور بقا کی شمعیں فروزاں کیے رکھنا مسلمانوں اور سیکولر ذہنیت کا فرض ہے اگر وہ تدبر و غور سے کام لیں تو ملک کی سلامتی اور بقا کی ضمانت لی جاسکتی ہے ورنہ تو پھر عقل و حواس ماضی میں ہی بیگانگی کی افتاد ناگہاں سے دو چار ہو چکی ہے۔اب ذرا اس دماغی خلل کا اندازہ لگایئے کہ کون ہندوستانی ہے جو مودی کے ایذاء سے ناواقف ہے گجرات مسلم نسل کشی سینوں میں ابد تک رستی رہے گی لیکن کچھ نام نہاد مولوی اور چند کھوٹے سکوں کے عوض اپنے ایمان و ایقان کا سودا کردینے والوں نے مودی کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے اس کے ممکنہ نتائج پر غور کریں اولا: مودی جیسے موذی کی مخالفت صرف مسلم ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ اغیار بھی اس کی سرشت کو پہچانتے ہیں اور اس کو ہمیشہ مسترد کرتے رہے ہیں اس مبینہ حمایت سے جہاں مسلم کی بے حرمتی اور ان کے مال و جان کے ضیاع کا در مفقود ہوتا ہوا نظر آتا ہے تو وہیں مودی کی محبت اور اس سے الفت ظاہر ہو کر یہ تصویر دکھاتی ہے کہ یہ چند افراد نے اپنی حمایت کا اعلان کرکے مودی کو بے قصور ثابت کردیا ہے

ثانیا: ان مسلم علماء ، صحافیوں

دانشوروں اور مثبت فکر کے حاملین مودی کی مخالفت کو اپنا ایمان خیال کرتے ہیں اس، حمایت کے باعث ان کی زبان ہی خاموش نہ ہوئی ہے بلکہ ان کے وہ دلائل و براہین جن کی رو سے مودی کو موذی ثابت کر رہے تھے، از خود باطل ہو گئے اور یک گونہ اس میں نقص بھی عیاں ہو گیا ثالثا: وہ ایک ظالم اور قاتل صد ہزار کی حمایت کرکے گرچہ اپنی جیب گرم کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی ان مقدس ارواح کی تضحیک و تذلیل بھی کر رہے ہیں جو گجرات سانحہ میں ظلم و استبداد کے شکار ہو کر جام شہادت نوش کیے تھے محض صرف یہ تین ہی شق نہیں ہیں بلکہ اس ذیل میں ہزار ہا ہزار شقیں ہیں جو ان ننگ ملت اور ننگ دین سے سوال کر رہے ہیں کہ آخر کن وجوہات کے بناء پر یہ مذموم اقدام کیا گیا ہے ؟ راقم اس پر حیران ہی نہیں بلکہ سرتاسر ورطہ حیرت میں ہے کہ ایسا کیا ہوا کہ مودی کی سابقہ ایذاء رسا سرگرمیوں کو فراموش کرکے مودی کی حمایت و تائید کے ذریعہ بے دریغ پابوسی کے خاطر ہمہ تن تیار ہیں ؟ یہ عقل و ہوش اور غیریت دینی کے موافق ہیں ؟ راقم ان ننگ ملت و دین کے خطاب کیلئے دینی غیریت کا اگر حوالہ دے تو شاید گراں گذرے تاہم کم از کم یہ تو خیال کر لیتے کہ وہ ایک ہندوستانی ہیں اور ان کا یہ اقدام سراسر 'بھارتیت' کے منافی بھی ہے ذرا یک نظر ان کے دلائل پر ڈالتے ہیں تو بڑی افسردگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ کیا سنی (بریلوی) طبقہ کے افراد ہی کیوں کر نظر انداز کیے جاتے ہیں ؟ تمام سیاسی جماعت قوم مسلم کے مسائل سے طوطا چشمی اختیار کیے ہوئی ہیں ان کی نظر میں تمام مسلم ایک

جیسے ہیں تو پھر ضرورت ہی کون سی آ گئی کہ ہم صرف ایک جماعت اور ایک طبقہ کے صرف نظر کردہ مسائل کو لیکر بات کریں اور پھر یہاں مسلکی گفتگو تو ہونی ہی نہیں چاہیے اگر ایسا ہی کچھ ہے تو علماء مشائخ بورڈ کے مرتب شدہ جامع اصول پر بھی سوالیہ نشان لگتا ہے کہ اسکے قیام کے کیا عزائم ہیں؟ کن امور کے تحت اس کی طرح و بناء ڈالی گئی ہے ؟ان لوگوں نے اپنے ایک ہی لفظ کے ذریعہ دو دو وادی عصیاں عبور کر گئے اور یک لخت اپنے عزائم کا اظہار بھی کر دیا ان میں کوئی ایوب ہے تو کوئی مطیع کوئی حامد ہے تو کوئی قمر افسوس !کب تک ملت فروشی اور ضمیر فروشی کا یہ گورکھ دھندہ چلتا رہے گا؟ اور کب تک ملی تنظیموں کے بینر تلے اپنے مکروہ عزائم کی تشنگی سیراب کی جاتی رہے گی ؟

ایک طرف تو کچھ دینار و درہم کے پجاری ہیں جو محض اسی کی خاطر جیتے ہیں اور ان کی شب و روز اسی کوشش میں گذرتی ہے تو کچھ اقتدار کے خواہش مند ہیں جو تمام جمہوری اقدار کو پامال کرکے صرف اور صرف حکومت و اقتدار کے طلب گار ہیں یعنی ان خواستگاران اقتدار عبدالدرہم والدینار کے جامع تعاون سے تمام منصوبوں کی تکمیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ جو کچھ خامیاں رہ گئی تھیں اس کی تلافی ممکن ہو تو دو سری طرف چند سیکولر حضرات ہیں جو اس پس و پیش میں ہیں کہ آیا کس طرح اس معمہ کو حل کیا جائے اور کس طرح اس سے پیدا

شدہ مشکلات کا ازالہ ہو؟ مجموعی صورتحال یہ ہے کہ ایک بار پھر اس جمہوری ہندوستان میں جمہوریت، سیکولرزم اپنی بقاء کیلئے فرقہ واریت اور فرقہ پرست افراد سے برسرپیکار ہے فرقہ پرست جمہوری اقدار کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہیں تو جمہوریت اپنی رہی سہی رمق کے ذریعہ اس بلاخیز طوفان میں ''آشا کی دیپ'' جلائے ہوئی ہے اور اس امید پر بے تکان عمل مسلسل جاری ہے کہ ہندوستانی کی جمہوریت کو مودی کا داغ نہ لگ جائے اور جو صاف شبیہ اقوام عالم میں ہندوستان کی ہے وہ آلودہ نہ ہو اس کشاکش میں دیکھنا یہ ہوگا کہ بازی کون لے جاتا ہے اور تاج کس کے سر ہتا ہے تاہم اتنا تو ضرور ہے کہ سیکولرزم اور اصل بھارت کی عظمت آج بھی زندہ ہے گرچہ لاکھ دعوے 'مودی کی لہر' کے کر لیے جائیں ویسے مودی کی لہر کوئی ایسی شی نہیں کہ خوفزدہ ہو کر اپنی امیدوں کو فنا کرکے مایوسی کی تاریکی میں خود کو غرق کردیا جائے بلکہ اس صورتحال میں تو سیکولرافراد کی اور بھی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے کہ وہ اس عفریتی طوفان کا مقابلہ کریں اور شکست وریخت سے دوچار کرکے بتادیں کہ یہ ہندوستان ہے اور یہاں صرف جمہوری ساز وآواز کی ہی ہمنوائی کی جاتی ہے۔ یہ تو خود ان کی شکست ہے کہ مرلی منوہر جوشی نے اعتراف کرلیا کہ مودی کی کوئی لہر نہیں ہے، تمام طرح کی کشاکش ہیں لیکن اس کا فیصلہ اور اس کی تباہی کی تاریخ دو ہی عناصر رقم کر سکتے ہیں وہ یا تو مسلم ہیں یا پھر سیکولر افراد جو ایک نئے بھارت کی تاریخ لکھیں گے اور فرقہ واریت کی قبر پر اپنی

کامرانی اور فتحیابی کے جھنڈے گاڑیں گے پھر بھی ان دونوں طبقہ کو ہوشیاری اور بیدار مغزی کیساتھ کام لینا ہوگا کہ ہم کس کو ووٹ دے رہے ہیں اگر ہمارا ووٹ سیکولرزم اور جمہوریت کے حق میں گیا تو بالیقین جمہوریت کی فتح ہوگی اور اگر ہمارا یہ ووٹ مودی کی لہر کے زد میں آگیا تو پھر خدا کی پناہ ! ویسے شر پسند عناصر نے اسکے تانے بانے بن لیے ہیں شاملی اور راس کے مضافات میں ہزاروں ووٹروں کو اپنے حق رائے دہی سے محروم کردیا گیا ہے ان کے نام وٹر لسٹ سے غائب تھے یا اگر ان کے نام تھے بھی تو ان کو مردہ دکھایا گیا تھا آخر الیکشن کمیشن کیوں خاموش تماشائی ہے ؟آخر بار بار یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس ننگ مزاجی کے ماخذ و مصادر کیا ہیں کن لوگوں کے اشارے پر ایسا ہوتا ہے کب تک فرقہ پرست جمہوریت کو تارتار کرتے رہیں گے اور کب تک جمہوریت اپنی بقاء کی جنگ لڑتی رہے گی ؟ حتی کہ ایک دن خود یہ جمہوریت اپنے وجود سے ناآشنا ہو جائے اور کسی بھی قاموس میں اس کے معنی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے ۔

یہ عام انتخاباتؐ جہاں ایک طرف ہندوستانی جمہوریت کیلئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں تو فرقہ پرست افراد کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکہ بھی ہیں کیونکہ اس انتخابات سے فرقہ واریت مضبوط یا کمزور ہوگی تو وہیں جمہوریت بھی اپنی کامیابی کا جشن منانے کی تیاری میں ہے اب اس معرکہ میں خاص کردار

متذکرہ بالا دو عناصر ہی ادا کر سکتے ہیں کہ آیا جیت کس کی ہو گی؟ کون ہو گا اس معرکہ کا بطل عظیم ان تمام مذکورہ امور کیلئے از حد ضروری ہے کہ مسلمان اور سیکولر افراد متحد ہو کر ووٹ دیں کیونکہ اب براہ راست بھارت کی عظمت پر وار ہونے والا ہے او ریقیناً یہی کوشش ان کی بار آور ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہوشیاری دامن گیر ہونی چاہیے کہ ووٹ ہندو مسلم یا دیگر بنیادوں پر تقسیم نہ ہونے پائے اگر ایسا ہوا تو پھر جمہوریت کو شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے بلکہ اس کی تمام تیاریاں بھی کر لی گئی ہیں۔ میخانہ میں تو ہر ایک رند کہن و نو کی بہتات ہے لیکن ساقی کا یہ فرض ہے کہ وہ خیال رکھے کہ کون مینوش و بادہ خوار اس تلخ مے کی تاب لا سکتا ہے لہٰذا ساقی کو اس امر کا خیال رکھنا ضرور ی ہے کہ کون اس کی مئے روح افزا کا مستحق ہے اگر کسی بادہ کش کا یہ نعرہ درست ہے تو اس نعرہ رندانہ و بادہ خوارانہ کو آج کے ووٹروں کیلئے منطبق خیال کیجئے کہ ہمارے ووٹر کس کو ووٹ دیں اور کس پر اپنی نامرضی کی مہر لگاتے ہیں یہ اعلان بلکہ یہ نعرہ رندانہ درست ہی خیال کریں کہ جب ساقی کی نظر میں مینوش مے کی تاب نہ لا سکے تب تک مے دینا مسلک مینوشی کے خلاف اور مکروہ ہے، ووٹر کو یہ خیال رکھنا ہو گا کہ کون اسکے ووٹ کا مستحق ہے اور کون نہیں جام سے پہلے مے نوشوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے بقول احمد فراز ۔

ساقیا! ایک نظر جام سے پہلے پہلے

سیاسی لیڈران کی بے لگامی آخر کیوں؟

یہ ہمارے ملک کی بد قسمتی اور بدترین زبوں حالی نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک ایسے موقع پر جب کہ جشن جمہوریت کی تیاریاں شباب پر ہیں اور ملک کے باشندگان اس انتظا رمیں ہیں کہ کب جمہوریت کی عید منائی جائے تاہم تقاضا تو یہ تھا کہ ملک کے تمام افراد باہمی اشتراک سے اس کی تیاریوں میں پرزور تعاون پیش کریں لیکن افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ کچھ شر پسند عناصر کسی بھی قیمت میں یہ نہیں چاہتے کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی ہو اور ملک کے باشندگان اس کی خوشی میں بزم عیش و نشاط آراستہ کریں،اپنی مکروہ ذہنیت کا برملا اور بے دریغ اظہار کر رہے ہیں۔امیت شاہ اور وسندھرا راجے نے تو پہلے ہی اپنے مکروہ خیالات کا اظہار کر چکے ہیں اور ان پر کسی بھی طرح کی ایسی قدغن نہ لگی جو دوسرے بھگوا لیڈران کیلئے سامان عبرت ہو۔اب ذرا اسی غیر مؤثر اقدام کی تصویر دیکھئے کہ بہار نوادہ کے پارلیمانی انتخاب کے امیدوار گری راج سنگھ جو بد قسمتی سے بی جے پی کے سایہ عاطفت میں جی رہے ہیں اور اسی بھگوا پارٹی کے ٹکٹ پر اپنی کشتی سیاست کی موجوں کے حوالے کر دیا ہے۔بڑی بیباکی اور دلیری کیساتھ یہ بھگوائی فرمان سنایا کہ ''مودی کے مخالفین کو الیکشن کے بعد پاکستان جانا ہوگا'' مو صوف ویسے تو ایک جمہوری

ملک کے باشندہ ہیں تاہم ان کا لب ولہجہ کسی تیشہ زن سے کم نہیں یہ ان کے الفاظ ہیں یا پھر پارٹی ہائی کمان کی جانب سے نازل کردہ صحیفہ بھگوائیت ؟مزید طرہ یہ کہ مودی کے حامی افراد بلکہ مودی کے پجاریوں کو یہ بھی بشارت دی الیکشن کے بعد غبار آلود مطلع صاف ہو جائیگا کہ ''مودی کے حامیوں کے اچھے دن آئیں گے اور مخالفین کو ملک بدر کرکے پاکستان بھیج دیا جائے گا''گری راج سنگھ اور وسندھرا راجے کی ہذیان گوئی گرچہ مختلف الفاظ پر مشتمل ہیں تاہم دونوں کے معنی میں یک گونہ اشتراک و تعلق ضرور ہے گری راج نے بھی وہی کہا جو وسندھرا نے کہا تھا دونوں بھگوا لیڈران کا اشارہ اور نتائج کے منتج ہونے کا وقت الیکشن کے بعد ہے گویا اگر اس الیکشن میں ہار ہوئی تو پورے ہندوستان میں گجرات کی خونچکاں داستان دہرادی جائے گی ان دونوں بھگوا لیڈران کی باتوں سے یہی اخذ ہو رہا ہے لیکن یہ ان کی اپنی سوچ اور احمقانہ فکر ہے کہ لوگ عقل و خرد سے بیگانے ہو کر ''ہر ہر مودی''کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور شاید اسی حماقت میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ الیکشن کے بعد مخالفین کی گردن مروڑ دی جائے گی اور ان کا قبلہ بھی بدل دیا جائے گا۔

گری راج کا یہ بیان جہاں ایک طرف جمہوریت کوشی محض ٹھہرا رہا ہے تو وہیں آر ایس ایس کے مخفی عزائم کی مکمل رونمائی بھی ہو رہی ہے کہ الیکشن کے بعد صورتحال واضح ہو جائے گی کہ کس کا وجود ہندوستان میں باقی رہتا ہے ویسے

افسوس اور حیرت کی کوئی بات نہیں اس مذکورہ تنظیم کے عزائم و منصوبے ہی کچھ ایسے ہیں کہ لاکھ چھپائے بھی نہیں چھپتا اور کہیں نہ کہیں اس کا برملا اظہار ہو جاتا ہے نفرت کی سیاست اور مذہبی عصبیت کا ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا ہے بلکہ تمام ناممکنات کو ممکن الحصول کی تصویر زار زار میں پنہاں کرنے کی تمام کوششیں ازبر کرلی گئی ہیں اور بسا اوقات باشندگان ہند ان کا ملاحظہ بھی کرلیتے ہیں اور خدا جانے کب تک یہ سلسلہ چلتا رہیگا، گری راج ویسے وسندھرا یا دیگر بھگوا لیڈران کی طرح نادان نہیں ہیں انھوں نے اشارہ اور کنایہ میں گفتگو کی ہے لیکن یہ بھی کیسی ہوشیاری ہے کہ ان کا مشارالیہ بت عریاں کی طرح ظاہر ہوگیا کہ موصوف کی ہذیان گوئی اور لاف گزانی ان امور کی طرف مشیر ہے۔ یہ صد فیصد سچ ہے کہ مودی کے مخالف صرف اور صرف مسلم طبقہ کے لوگ ہیں اور ان لوگوں کی مخالفت کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ اس طبقہ کے افراد مودی کی مخالفت کو کیوں لازمی قرار دے رہے ہیں اور پھر سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مودی نے اپنے ایمان و ایقان کا محور بجائے اتحاد و سلامتی کے فرقہ پرستی اور ہندو توا کو قرار دیا ہے نیز اس کا مطمح نظر فرقہ واریت پر مبنی ہے جو کہ مسلم طبقہ ہی کیلئے باعث فکر و اندیشہ نہیں بلکہ ہندوستان کی عظیم جمہوریت کیلئے بھی مہلک اور سم قاتل سے کم نہیں لہٰذا اسی خط اور مضبوط بنیاد کے باعث جمہوریت کے قائلین اس کی مخالفت کررہے ہیں اور تادم کرتے رہیں گے۔ اگر گری راج کے عفریتی تصورات کے بموجب

مخالفت درست نہیں اور سراسر خطا ہے تو سچ مانئے ہم ایسی ہزار ہا ہزار غلطیوں کے ارتکاب میں دریغ نہ کریں گے بلکہ اس ارتکاب میں اپنی جانوں کو بھی قربان کر دینا سعادت اور نیک بختی خیال کریں گے مودی کی مخالفت ہو گی، ہوتی رہے گی جب تک سیکولرزم اور جمہوریت کو اس کی نجاست و کثافت سے پاک نہیں قرار دیا جائے اور مکمل طور پر واضح نہ ہو جائے کہ ملک کا وزیر اعظم مودی نہیں ہے۔

تقدیس جمہوریت کی بحالی اور اس کی ضمانت اسی وقت لی جا سکتی ہے جب کہ ملک بیرونی اور خارجی مکروہ عناصر سے یکسر پاک نہ ہو جائے اور یہ بھی اطمینان نہ کر لیا جائے کہ ملک کے اندر شر پسند عناصر اپنے خوابوں کا محل تیار نہیں کر رہے ہیں اور نہ ہی اس کیلئے کوئی سازش کی جا رہی ہے یہ زریں اصول اپنی جگہ، حیرت و اضمحلال تو یہ کہ کچھ شر پسند نے مذہب کی آڑ میں منافرت اور مذہبی عصبیت کی تخم ریزی کر کے اس کو مضبوط تناور درخت بنا دیا ہے ملک کے افراد بارہا ان مذکورہ اصولوں کی دھجیاں بکھرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں اور تقسیم کے پر الم سانحہ کے بعد اس کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے لاکھ کوششیں کر لی گئیں مگر نتیجہ صفر ہی رہا کبھی آر ایس ایس نے تو کبھی دوسری بھگوا تنظیموں نے اس کی قبا چاک کی۔ الغرض جمہوریت اور اس کی حرمتوں کو متواتر پامال کیا جاتا رہا کبھی اس فعل قبیح سے اجتناب و احتراز کی

خاطر کوئی مثبت پیش رفت نہ کی گئی گجرات سانحہ سے لیکر مظفر نگر تک ہر بار ایسا ہی ہوا اور تمام فرقہ پرست عناصر نے وہی کیا کہ جس کا تقاضا بھگوا پرست تنظیمیں کرتی ہیں ۔ گری راج سنگھ کا یہ بیان ویسے کوئی نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا رہا ہے کہ ایک خاص طبقہ کو نشانہ بنا کر ہندوستان بدر کی باتیں کی جاتی رہی ہیں مسلمانوں کو بھی اس کے سماع کی عادت پڑ چکی ہے لیکن ایسا تو نہیں کہ یہ چند کروڑ نہتے مسلمان پتھر ہیں اور اپنی تمام سابقہ حمیت اور موروثی جذبات سے عاری ہو چکے ہیں؟ یہ صرف اور صرف خلل دماغی کے کچھ بھی نہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ قبل از وقت اپنے شکست کی خفت کو مٹانے کیلئے اس طرح کی ہذیان گوئی میں مبتلا ہیں یہ بھی بی جے پی حرماں نصیبی ہی ہے کہ ایک طرف راج ناتھ مسلم قائدین سے مل کر آپسی پژمردگی اور تناؤ کی کیفیت کے ازالہ کی فکر میں ہیں تو ان کے رفیق کار اپنی بوالہوا سی کے باعث اس پر ناکامی کی مہر لگا رہے ہیں آخر کیسی افتاد ناگہاں ہیں کہ کچھ اپنے ہی بی جے پی کی مٹی پلید کرنے میں لگے ہیں اور صرف راج گری ہی کیوں ہو دوسرے افراد نے بھی ماضی میں اس کو انجام دے چکے ہیں۔ امیت شاہ، وسندھرا اور گری راج نے جو کچھ بھی کہا کیا وہ الیکشن کمیشن کے مقررہ ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی نہیں ہے ؟اور الیکشن کمیشن کا یہ اقدام غیر مؤثر کسی خاموش طوفان کی سمت مشیر نہیں ہے گری راج کو آخر اجازت کیونکر مل گئی کہ وہ اشتعال انگیزی کرتے رہیں اور پورا ہندوستان بشمول الیکشن کمیشن خاموشی کیساتھ مجبور

سماعت رہے ؟اگر ایسا ہے تو ہمیں افسوس ہی نہیں بلکہ ہماراوہ اعتماد جو الیکشن کمیشن پر قائم تھا کمزور ہوا ہے اور نت نئے شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔

ملک بدر کی دھمکی کس بنیاد پر جارہی ہے ؟کیا مسلمان اس ملک کے غدار ہیں ؟کیا ان چند کروڑ مسلمان نے اپنے خون جگر سے ملک کی آبیاری میں حصہ نہ لیا ؟کیا ملک میں اس قدر'' مودی توا''کی دیوانگی اور جنون سر چڑھ کر بول رہا ہے کہ ہر بن مو سے مودی کی لغو محبت کا اظہار ہو ؟آخر اس ملک میں کیا ہو رہا ہے کہ آج بھی ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو غدار کہتا ہے کیا اس سے ''مودی توا''کی کشتی ساحل سے مل سکے گی ؟ یہ تمام سوالات ہیں لیکن اسکا ایک ہی نقطہ جواب ہے کہ یہ اپنی شکست قبول کر لیناہے اور یہ ایسا ہو بھی کیوں نہیں کہ اب ان کی کشتی عین منجدھار میں پھنس چکی ہے اور جب تک اہل ایمان مدد کو نہیں آئیں گے کشتی اپنی حالت میں بدستور رہے گی۔

! خون مسلم کی وہ ارزانی دیکھی کہ بس

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں ہر ایک فرد کو اپنے مقررہ اختیارات حاصل ہیں نیز یہ اختیارات جمہوری آئین کے عطا کردہ ہیں لیکن آسام میں رونما ہونے والے واقعات اس مذکورہ اصول سے یکسر متحارب اور منحرف ہیں اور پھر بوڈو دہشت گردی اس امر پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ ہندوستانی جمہوریت ایک شی محض اور ایک غیر فطری ڈرامہ ہے نیز یہ بھی بوجہ تمام عیاں ہوتا ہے کہ حقیقت کسی دوسرے امر کی آئینہ دار ہے۔ووٹ ڈالنا ایک جمہوری حق ہے اور اسی مقررہ حق کے باعث جسے چاہے جمہوری ملک کا باشندہ اپنا ووٹ دے سکتا ہے اور اپنی حمایت کے ذریعہ کسی امیدوار کی سیاسی قوت کو مجتمع کر سکتا ہے اگر بات صرف ووٹ ڈالنے کی ہے تو یقین جانئے بوڈو دہشت گردوں کا یہ مکروہ اقدام جمہوریت کی پشت میں خنجر زنی ہے اور اگر اس خط کی وجہ سے بوڈو دہشت گردوں نے ارسرنو 2012 کی داستان زار زار کی تجدید کی ہے تو پھر اس کیلئے صوبائی حکومت کے ساتھ ساتھ مرکزی حکومت بھی ذمہ دار ہے کیونکہ اگر اس دہشت گردی کے سدباب کے پیش نظر بوڈو دہشت گردوں کا قلع قمع کرکے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی جاتی تو کوکراجھاراور دیگر علاقوں میں اس طرح کے بہیمانہ واردات نہیں ہوتے اور یہ بھی ہرگز نہ ہوتا کہ بو

ڈو دہشت گرد آسام کے اضلاع میں دندناتے پھرتے ۔تمام تجزیاتی رپورٹس اس امر کی تصویب و تائید کرتی ہے کہ سب سے زیادہ پر تشدد واقعات صوبہ آسام میں ہوئے ہیں تو پھر حکومت کا فیصلہ کن اقدام سے گریزاں ہونا کس امر کی دلالت ہے ؟آخر ہم اس کو کیا تصور کریں ارباب اقتدار کی غفلت اور نااہلی یا پھر بوڈو دہشت گردوں کا خود ساختہ بہیمانہ طریقہ کار؟آسام ویسے تو ایک سرسبز ریاست ہے اور یہاں تمام سہولیات ہیں لیکن یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ یہ شادابی اور تمام طرح کے مراعات سے مسلمان محروم ہیں حکومتی مراعات کی فراہمی خواہ جس شرح سے ہو وہ مبحث گفتگو نہیں ہے اصل مسئلہ جانوں کے عدم تحفظ کا ہے کہ اگر حکومت اپنے فرائض کے تئیں پابند عہد ہوتی تو ایک بار پھر نصف شب میں دہشت گردی کا یہ المناک واقعہ پیش نہیں آتا آخر ہم کیسے اس نا فہم قضیہ کو تسلیم کرلیں کہ آسام میں مسلمان محفوظ ہیں اگر مسلمانوں کی جان ومال کے تحفظ کو یقینی اور امر مسلم بنایا جاتا تو یقینا بوڈو دہشت گرد اپنے مکروہ عزائم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے تھے لیکن ستم شعاری تو یہ ہے کہ حکومت بار بار تسلی و تشفی دے رہی ہے مگر افسوس !حکومت کے جانب سے واقع ہونے والی تسلی اور تشفی نقاہت اور لاغری سے مغلوب ہے اور اس لفظ میں کوئی ایسا عنصر پنہاں نہیں جو یہ ثابت کرے کہ حکومت کی تسلی مثبت اور خوش آئند پہلو کی غماز ہے۔ بوڈو دہشت گردوں کے جو بھی مطالبات ہیں اگر وہ جمہوری آئین کے موافق ہیں تو تسلیم کرلینے میں کوئی حرج اور ضرر نہیں لیکن اگر

ان کے مطالبات جمہوریت کے منافی ہیں تو پھر حکومت وقت کیلئے لازمی ہے کہ اس دہشت گردی اور جمہوری منافات کا مقابلہ کرے اور اس فتنہ کی سر کوبی کرے کیونکہ دن بدن بوڈو دہشت گردوں کے ارادے مضبوط ہوتے جارہے ہیں اور رستم ایجاد کے نئے نئے پہلو سامنے آرہے ہیں۔لسانی تعصب کے باعث اقلیتوں کی نسل کشی کی جارہی ہے یا پھر کوئی دوسرے مفادات ہیں جو ان کو شر انگیزی پر آمادہ کررہے ہیں ؟ بادی النظر میں تو حقیقتاً ایک ہی نقطہ نظر آرہا ہے کہ وہ دوسری زبان بولتے ہیں لیکن 2012 کے عام فسادات اور ان دنوں واقع ہونے والی پر تشدد کاروائیوں سے یہی صاف او ربے غبار نظر آرہا ہے کہ لسانی تفریق اپنی جگہ لیکن یہ تفریق بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا اور جن کو نشانہ بنایا گیا تھا ان کا نام محمد ،احمد ، عبداللہ، کلیم ،آصف اور شاہد وغیرہم تھا۔بوڈو دہشت گرد کا یہ الزام کہ وہ بوڈو لینڈ میں داخل ہو کر بوڈو شناخت اور خود ساختہ روایت و ثقافت کیلئے خطرہ بن چکے تھے تو یہ کلیہ اور نکتہ سراسر سم قاتل ہے کشمیر سے کنیا کماری تک خواہ مختلف تہذیب و ثقافت کے علمبردار ہوں کوئی کسی کو اپنی تہذیب و ثقافت کیلئے خطرہ خیال نہیں کرسکتا نیز یہ بھی کہ کوئی کسی پر اپنی روایت تھونپ بھی نہیں سکتا تو پھر مسلمانوں کی بود و باش اور ان کی آفاقی تہذیب کیونکر ان کی تہذیب کیلئے خطرہ بن گئی ؟ اور پھر اس الزام کے بموجب مسلمانوں کے ساتھ قتل و غارت گری کس آئین کی رو سے درست ہے ؟پہلے

مذکورہ الزامات عائد کرکے شیطنت اور بوالہوسی بپاکی جاتی تھی لیکن اس بار شاطر نے اپنی چال ہی بدل دی اور یہ کہہ کر نصف شب میں یورش و یلغار کردی کہ چندن بھرما کو ووٹ کیوں نہیں دیئے آخر اس خیرہ مذاقی اور رنگ ظرفی کی بھی کوئی وجہ ہے ؟ یہ ہندوستان ہے اور یہاں جسے چاہے ووٹ دے کوئی قید نہیں اگر بوڈو دہشت گردوں کا یہ الزام ہے تو اس ذیل میں الیکشن کمیشن کو بھی بیدار ہونا ہوگا کہ ووٹ جبراً یا دیگر جمہو ریت شکن تدابیر کے ذریعہ حاصل کئے جارہے ہیں اور یہ تدابیر نہ تو جمہو ریت کے موافق ہے اور نہ ہی الیکشن کمیشن کے مقررہ ضابطہ اخلاق کے مساوی ہیں بوڈو دہشت گرد ی بغرض تمام جیسا کہ مترشح ہوتا ہے وہ یہ کہ یہاں نہ تو لسانی تعصب کارفرما ہے اور نہ ہی ووٹ نہ دینے کا غم و غصہ اس بار بھی اور گذشتہ ایام میں بھی اس وجہ یہ شیطنت وجود پذیر ہوئی کہ وہ مسلمان تھے اور ان کا خون اس بناء ارزاں ہوگیا کہ وہ 'رحمٰن' کے ساجد اور عبادت گذار ہیں 'اہرمن' کے نہیں گرچہ مختلف زبان بولنے والے ہوتے ہیں لیکن جب صدائے لاالہ بلند ہوتی ہے تو ایک ہی لب و لہجہ اور ایک ہی زبان میں ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں ان کا خون اسوجہ سے بہایا گیا کہ وہ مسلمان ہیں اور ہندوستان کیا اقوام عالم میں بھی مسلمانوں کا خون ارزاں ہوگیا ہے ان کا جرم صرف اتنا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا لازوال رشتہ مقدس اسلام سے ابد تک کیلئے استوار ہے مظفر نگر میں بھی اسی بنیاد اور لازوال رشتہ کے باعث خون

کی ہولی کھیلی گئی تھی اور شام و فلسطین افغان و پاک میں بھی اسی رشتہ کی وجہ سے خو
ن مسلم ارزاں ہے۔
جشن جمہوریت کی تمام تیاریاں تو پوری کرلی گئی ہیں اور ملک کے باشندے اس لمحہ کے
منتظر ہیں کہ جب یہ اعلان کیا جائے گا کہ جمہوریت کی فتح ہوئی ہے اور فرقہ پرستی، ہندو
توا اور مودیتوا کی شرمناک اور رذلت آمیز شکست ہوئی لیکن اس اعلان سے کچھ ایام
قبل یہ فعل بدانجام دینے کی پرزور کوشش کی جارہی ہے کہ مسلم مخالف سمیات غیر
مسلم کے دلوں میں اس قدر انڈیل دیا جائے کہ بھیانک خیز صورتحال میں یہ عناصر
اپنے بال وپر کھولے اور اس کا لازمی نتیجہ نہتے مسلمانوں پر اثر انداز ہو۔ مودی نے اپنی
احمقانہ گفتگو میں وہی کیا ہے ۲۷/اپریل کو مودی نے پناہ گزیں بنگلہ دیشیوں کو للکارتے
ہوئے دھمکی دی کہ وہ ۱۶/ مئی کے بعد اپنا بوریابستر باندھ لیں گویا مودی کو اسکا مکمل
یقین ہوگیا ہے کہ وہ ۱۶/ مئی کے بعد ہندوستان کی قسمت کا مالک ہوگا اور تمام
اختیارات اسکے قبضہ میں ہوں گے یہ قبل از وقت دماغی خلل اور عقل کے غیر متوازن
ہونے دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ اب ذرا اس تلخ حقیقت کی طرف نظر کریں کہ بوڈو بھی
اپنی دہشت گردی بنگلہ دیشیوں کے ہی وجہ سے قائم کیے ہوئے ہیں اور اسی مفروضہ کی
وجہ سے آسام دم مسلم سے لالہ زار ہے تو وہیں مودی بھی بنگلہ دیشیوں کو ۱۶/ مئی
کے بعد ٹھکانے لگانے پر بضد ہے

بنگال کے پناہ گزیں بین الاقوامی معاہدہ کے مطابق ہندوستان میں بود و باش اختیار کئے، ہوئے ہیں لیکن ایک مودی ہے جسے بین الاقوامی معاہدہ کا علم نہیں اور مزید طرہ یہ کہ خود کو ممکنہ وزیر اعظم کیلئے خیال کرتا ہے !دونوں پہلو ایک ہی جیسے ہیں اور باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار بھی ،بوڈو دہشت گردوں کو ''گجراتی دہشت گرد'' کے اس بیان سے مزید تقویت ملی ہے کہ جسے ہم اپنی دہشت گردی کا نشانہ بنا رہے ہیں وہ واقعی بنگلہ دیشی ہیں اور ہمارے یہ افعال مکروہ نہیں بلکہ محبوب ہیں !بڑی حیرانی اور تاسف کا مقام ہے کہ آخرش جو شخص بین الاقوامی معاہدوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کیونکر ۶۰ سالہ قدیم جمہوریت کے مندر کا ہیل اعظم ہوگا مزید طرہ یہ کہ راج ناتھ سنگھ نے بھی/ یہ کہہ کر اسکی تائید کی ہے کہ بنگلہ دیشی تارکین وطن کے مسائل حکومت کے سب سے اہم ایجنڈوں میں سے ہونگے گویا راج ناتھ سنگھ نے بھی یہ اشارہ دے دیا ہے کہ ۱۶ مئی کے بعد ملک کی تصویر مختلف ہوگی ۔الغرض لب لباب یہ ہے کہ آسامی مسلمانوں پر/ ظلم و تشدد اور تختہ مشق بنائے جانے کا یہ مکروہ اور قبیح عمل مودی کے شر اندیشانہ بیا نات کا مظہر ہے اور یہ صاف عیاں ہوگیا کہ دونوں ایک ہی عنصر کے دو مختلف شکلیں ہیں اور دونوں کا رشتہ باہمی امتزاج کا ایک بت عریاں ہے۔

آسام ہو یا پھر کوئی دوسرا علاقہ آخر مسلمانوں کو ہی کیوں ایجاد ستم

کیلئے اپنی تجربہ گاہ تصور کیا جاتا ہے ؟کیا مسلمان اس قدر حس و شعور سے عاری ہو چکے ہیں کہ زخم مسلسل بھی درد کا احساس نہیں دلا سکتا اور کیا یہ نہتے مسلمانوں کی تخلیق اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ ان کو کرب پیہم پہونچایا جائے اور صورتحال اس قدر الم انگیز ہو کہ کوئی دلاسا دینے والا بھی نہ ہو۔ حکومت مسلمانوں کے تحفظ کے تئیں پابند عہد ہے تو پھر اس ذیل میں پیدا شدہ اشکالات کی بابت فیصلہ کن اقدام سے گریز پا کیوں ہے ؟گو گوئی حکومت ہو یا پھر مرکزی حکومت ان کیلئے لازمی ہے کہ بوڈو دہشت گرد، الفا اور دیگر دہشت گردوں کیخلاف ایسی محاذ آرائی کی جائے کہ پھر دوبارہ سر نہ ابھارے اور رہی سہی جو جمہوری رمق ہے وہ بحال رہے لیکن ایسا بار بار کیوں ہوتا ہے کہ حکومت وعدے اور تسلیاں دیتی ہے لیکن بوڈو دہشت گرد حکومت کے اعلانات کو خاطر میں لاتے ہی نہیں گویا اس وسیع و عریض ہندوستان میں ایک ایسا بھی خطہ ہے جو حکومتی دسترس سے خارج ہے اور حکومت صرف کف افسوس ملنے پر ہی اکتفا کرتی ہے۔

مئی کا سورج کون سا پیغام لے کر آئے گا؟16

۱۶ویں لوک سبھا انتخابات تمام مراحل میں اپنی تکمیل کو پہونچ چکے ہیں اور عوام کو اب ان کے نتائج کا بے صبری کیسا تھ انتظار ہے کہ اس مہابھارت میں جیت کس کی ہوتی ہے؟ کس کے سر وزارت عظمیٰ کا تاج سجتا ہے؟ کیا سیکولرزم کی جیت ہوتی ہے یا پھر ہندوتوا کی کشتی میں سوار مودی اپنی نیّا کو ساحل سے ہم کنار کرتا ہے؟ نتائج حیران کن بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھارت کی جمہوریت فتح و ظفر کا بطل عظیم ہو گی تاہم اس ذیل میں یہ امر ملحوظ رکھنا ہو گا کہ مسلمانوں کو کیا ملے گا؟ اور یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا مستقبل میں بھی اسی طرح اس جمہوریت کے تحت مسلمانوں کا معاشرتی، سیاسی، سماجی اور دیگر امور کے ضمن میں استحصال ہوتا رہے گا؟ جیسا کہ آزادی کے بعد سے مستقل ہوتا آ رہا ہے۔

انتخابی وعدوں کا اگر ہم جائزہ لیں تو تمام سیاسی پارٹیوں نے وعدہ خام خام کے تمام پہلوؤں کو سیراب کر دیا اور کسی بھی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑا حتی کہ مودی نے بھی اعلان کر دیا کہ جب تک مسلمان ترقیات کے دھارے میں شامل نہ ہونگے ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ ملک میں خوشحالی اسی وقت پھریرا بلند کر پائے گی جب مسلمانوں کے اندر تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت ہو گی۔ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن مجید اور دوسرے ہاتھ میں لیپ ٹاپ ہونا

لازمی ہے۔ الغرض ! جب کھلے فرقہ پرست ہی ہمارے سلگتے ہوئے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کریں تو نام نہاد سیکولر جماعتوں کا کیا کہنا وہ تو ہمارے مسائل سے ہم زاد کی طرح آشنا ہیں۔ یہ تمام وعدے اس لیے ظہور پذیر ہوئے ہیں کہ سیاسی جماعتیں اس شق سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلم ووٹ اپنی ایک طاقت رکھتا ہے اور اس کا ایک فیصلہ کن اقدام بھی ہوا کرتا ہے۔اس عام انتخابات کے انتخابی تشہیر میں جہاں سیکولرزم اور فرقہ پرستی باہم متصادم رہی وہ قابل بیان نہیں ہر ذی عقل و شعور اس سے واقف ہے۔ ایک طرف جہاں بی جے پی اپنے معروف ایجنڈے کے ذریعہ لوگوں میں تفریق و تقسیم کی تخم ریزی کرتی رہی تو وہیں نام نہاد سیکولر جماعت مسلمانوں کو اس سے متنبہ کرکے اور جمہوریت شکن بیانات کی مدافعت وتردید کرکے مسلم ووٹ کی تحصیل میں سرگرداں رہی اور ستم تو یہ کہہ لیں کہ ملکی اور قومی مسائل اس شور و غوغا میں یکسر مفقود ہو کر رہ گئے کیونکہ جس امر کیلئے انتخابات ہوا کرتے ہیں وہی ندارد تھا اور اس کی جگہ غیر سماجی غیر آئینی اور غیر جمہوری عناصر متحرک تھے۔ اس سے یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ، اقتدار سازی جمہوریت کے تحفظ و پاسداری کیلئے نہیں ہو رہی ہے بلکہ ایک جنون ہے جو اس کیلئے سرگرداں اور خاک بہ سر ہے۔ آخر یہ تو کسی بھی اصول کی رو سے درست نہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ یہ جمہوریت کے سرتاسر منافی ہے لیکن جب مذاق ہی بگڑ جائے تو دہن کا کیا قصور ہے اور جب مے ہی اپنا فطری نشہ فراموش کردے تو ساغر و پیمانہ کی کیا خطا ہے ؟ یہ تو ۱۶/ مئی کی

شام میں ہی واضح ہو گا کہ عوام کا معتدبہ طبقہ کس چیز کو بھارت کی عظیم اور قابل فخر جمہوریت کیلئے موزوں خیال کرتا ہے کہ جس کے باعث یہ صد رشک جمہوریت مودی کی نجاست سے آلودہ نہ ہوا گر بالفرض سیکولرزم کی شکست ہوئی تو کیا ہندوتوا کے نشہ کفر سے مغلوب فرقہ پرست اپنے آقاؤں کیساتھ مل کر جمہوریت کا جغرافیہ بدل دیں گے اور جس جمہوریت پر ہم سبھی نازاں ہیں اس جمہوریت کا آفتاب خاک ہندوتوا میں غروب ہو جائے گا ؟ یہ سوالات اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن ہمیں اس سے خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے بلکہ بلند حوصلہ کیساتھ اس سے مقابلہ کیلئے کمربستہ ہونا ہو گا ہاں یہ درست ہے کہ ہندوتوا کے مریض اور عشاق نامراد اپنی ناکامی کے رنج و غم میں تمام اخلاقیات سے عاری ہو کر قعر مذلت میں جا پڑیں جیسا کہ ابھی گذشتہ دنوں میرٹھ اور مظفر نگر اور دیگر علاقوں میں شیطنت برپا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی لیکن ان کو یہ بھی یاد رکھنا ہو گا کہ جب تک مسلمان رہیں گے جمہوریت کا دفاع کیا جاتا رہے گا اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کی خاطر اپنی جانوں کا بھی نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہ کریں گے اور ہم نے جو قربانی مظفر نگر اور آسام میں دی ہے اس کا خون بھی ابھی خشک نہ ہوا ہو گا۔

آخر ہر ایک ہندوستانی متفکر ہے کہ ۱۶/ مئی کی صبح کون سا پیغام لے کر آتی ہے اس صبح کا سورج کیا جمہوریت و اتحاد کے افق پر طلوع ہو گا اور فرقہ پرستی کی تاریکی میں غروب ہو جائے گا یا پھر جمہوریت کے ہی مغرب میں غروب ہو گا

واقعی یہ لمحہ فکریہ کہ ہندوستانی سیاست کا منظر نامہ کیا ہوتا ہے اور یہ بھی امر مسلم ہے کہ وہی حضرات متفکر ہیں جو سنجیدہ مزاج اور خالصتاً ہندوستانیت اور جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں لیکن جو اس اصول سے بغاوت و انحراف کرکے امر دیگر کو اپنا ایمان خیال کرتے ہیں وہ خوش ہیں اور ان کو اس کا بالکل یقین ہے کہ فرضی لہر اپنا کام پورا کر چکی ہے اور اسی فرضی لہر کی تجدید در تجدید اور فروغ کیلئے پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا ہندوستان ہندی روزنامہ کی اس خبر کو سچ مانیں تو حیرانی ہو گی ذیل میں انتخابی تشہیر کے اخراجات کی تفصیل پیش کی جارہی ہے

ذرائع

اخراجات

ہورڈنگ ۲۵۰۰

ٹیلی ویژن ۱۰۰۰

اخبارات ۵۰۰

میگزین ۱۵۰

ٹی ٹونٹی ورلڈکپ ۱۵۰(

ریڈیو اور آن لائن ۳۵

آخری وقت میں دیئے گئے اشتہارات ۵۰۰

نوٹ : یہ اخراجات کروڑوں کے حساب سے ہیں۔

اس طرح کے پانچ ہزار کروڑ کے اخراجات کی وجہ سے اگر وہ خوش فہمی میں ہیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے جو اس کی توضیح کرتی ہے کہ لہر لہر کی نیّا میں سوار ہو کر سمندر کی سطح زیریں میں غرق ہو گئی ہے اور ملک کا الیکٹرانک میڈیا جس طرح سے مودی سرکار کی پیشین گوئی کر رہا ہے اس یہ بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جمہوریت کے تحفظ کے تئیں سنجیدہ نہیں ہے بلکہ جمہوریت کے شفاف آئینے میں فرقہ پرستی کی مکروہ شکل ڈھالنے کیلئے کوشاں ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کی پیشین گوئی اسی وقت درست ہونگی جب مذہبی جنونیوں کے ساتھ حقیقی شعور و فہم کے حاملین بھی مودی لہر کی طغیانی و تموج میں خود کو سپرد کردیں لیکن اطمینان کی بات ہے کہ جو چشم بینا سے حقیقت کے مدرک و تسلیم کنندہ ہیں ان کا تو یہی خیال ہے کہ اگر مودی کے ہاتھوں میں اقتدار جاتا ہے تو ہندوستان کی تصویر مختلف ہی نہیں ہوگی بلکہ جمہوریت اور ہندوستانیت کے لیے بھی باعث شرم و ذلت ہوگی لہٰذا انھوں نے بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے دوسری سب سے اہم بات یہ بھی ہے کہ اردو میڈیا جو ایک طرح سے مسلمانوں کی ترجمانی کا کام کیا کرتا ہے وہ اپنے تجارتی مقاصد کیلئے اپنی خودی اور حمیت کا بھی سودا کر ڈالا۔ ایم جے اکبر اور شاہد صدیقی جیسے لوگ بھی مودی اور بی جے پی کے دامن میں گوشہ عافیت ڈھونڈنے لگیں اور

جس طرح سے اپنی بے وقعتی اور چند کھوٹے سکوں کے عوض اپنی قیمت کا اظہار کیا وہ بہت ہی مایوس کن ہے کبھی توفیق ارزانی ہوئی تو اس ذیل میں بھی گفتگو کی جائے گی لہٰذا ان امور کے پیش نظر فرقہ پرست خوش ہیں اور ان کا یقین اپنے کمال کو پہونچ گیا ہے کہ مودی کے ہاتھ میں ہی اقتدار ہوگا۔

اس عام انتخابات میں سیکولرزم اور جمہوریت کا ہندوتوا اور مودیتوا سے براہ راست مقابلہ ہوا ہے اور سیکولرزم نے بڑی دلیری اور بے جگری کے ساتھ اس کا مقابلہ بھی کیا ہے کہ اگر اس بار ذرا سی چوک ہوئی تو صدیوں تک کیلئے جمہوریت کا استحصال کیا جاتا رہے گا یہ تمام کشاکش اپنی جگہ آخر کسی نے مسلم مسائل کے تئیں اپنی سیاسی سنجیدگی کے علاوہ کسی دوسری طرح کی سنجیدگی بھی دکھائی ہے کہ مسلمانوں کے بھی ایسے مسائل ہیں جو تشنہ ہیں اور پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون ہمارے لیے سنجیدہ اور متفکر ہو ہر شخص اور ہر ایک پارٹی کو ہمارے ووٹ سے عشق ہوتا ہے اور جب معشوق سے وصل ہو جائے تو کون نامراد عاشق ایسا بھی ہوگا کہ سامان وصل کی قدر کرلے۔ کانگریس خود کو سیکولر اور مسلمانوں کی خیر خواہ تصور کرتی ہے کتنے ایسے مسائل ہیں جن کو حل کیا ہو بابری مسجد کا فیصلہ اگر آستھا کی رو سے ہو تو پھر عدلیہ، جمہوریت، اور قانون چہ معنی دارد ؟؟ قانون کا احترام ہر ایک شہری پر لازم ہے آخر یہ کیسی زیادتی ہے کہ احترام کی تادیت مسلمانوں پر جبراً تھوپ دی جاتی ہے اور فرقہ

پرستوں کو کھلی چھوٹ دی دی جاتی ہے۔ مسلم نوجوانوں کو بے بنیاد الزام کے تحت سلاخوں کے پیچھے کردیا جاتا ہے اور خدا جانے کتنے نوجوان زنداں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردیا ہے خالد، مجاہد اور فہیم کے ناحق خون کا جواب تو ابھی باقی ہے اور کانگریس اس سے راہ فرار اختیار کررہی ہے اگر ملک کا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی کا ہے تو پھر اس ذیل میں مثبت اقدام سے گریز پائی کیوں ہے ؟اسیمانند کے اقبالیہ بیان کے بعد قانون، عدالت اور ان کے معاونین کیونکر چپ شاہ کا روزہ رکھ لیا ہے لیکن افسوس! تختہ مشق کیلئے تو مسلمان ہی ہیں کہ جن کا ہر ایک فعل مشکوک ہے۔ متذکرہ بالا چند خطوط کے پیش نظر کانگریس کا دعوی کس حد تک درست ہے کہ وہ سیکولر ہے ؟

عام انتخابات کے نتائج خواہ خوش کن ہوں یا پھر مایوس کن اقتدار کی کرسی پر جو بھی قابض ہو مسلم مسائل کے تئیں مثبت پیش رفت ایک خواب ہی ہے کانگریس سے جو امیدیں تھیں وہ تو قصہ پارینہ ہوگئیں فرقہ پرست جماعت سے کیا امیدیں کی جاسکتی ہیں وہ بھی اس صورتحال میں جب کہ مودی جیسا مسلمانوں کا قاتل اعظم وزیراعظم ہوگا مسلمانوں کی بیجا گرفتاریاں ہوتی رہیں گی، جمہوری حقوق کے اتلاف کا سلسلہ دراز تر ہوتا رہے گا اور ہم ایک حرف شکوہ اپنی زبان پر لانا گناہ خیال کرتے رہیں گے گویا جس چیز کیلئے ہم نے اپنے حق رائے دہی کا

استعمال کیا تھا اس میں ہم کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ صبح آزادی سے اب تک حرماں نصیبی سایہ کی طرح ساتھ ساتھ چل رہی ہے نہ تو ہمیں کوئی مخلص قائد مل سکا جس سے از سر نو عہد رفتہ کا احیاء تو نہیں کم از کم یاد ہی تازہ ہوجائے اور نہ ہمارے ووٹ سے سیاسی قوت کو مستحکم کرنے والی جماعت ہی کچھ حقیقت پسندانہ اقدام کیلئے تیار ہوتی ہے آخر یہ بے توجہی اور بے التفاتی کیونکر واقع ہوئی؟ وجہ صاف اور مطلع بے غبار ہے کہ ہم نے سیاسی قوت کے اجتماع اور آپسی اتحاد و اتفاق جیسی گراں مایہ وراثت سے پہلو بدل کر شاہد و شراب کے عیش و نشاط میں گم ہو گئے اور یہ بھی بھول گئے کہ یہ وہی ہندوستان ہے جہاں ہماری شان و شوکت عظمت و سطوت کا سکہ قرنوں قائم رہا ہے اور یہ وہی سرزمین ہے جہاں ہم نے اپنی بادشاہت کی ایک تاریخ مرتب کی ہے، واقعی شاہد وشراب سے الفت اور رشتہ داری ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر ایک غم کو فراموش کردیا جاتا ہے رندازل اور فطری سرمستوں نے کل اپنی بے خودی میں اعلان کیا تھا آج کی قوم مسلم بھی بے تابانہ اور رندانہ وہی اعلان کررہی ہے کہ ہم تو شاہد وشراب والے ہیں۔

!! فیضان کرم یوں جاری ہوا کرے گا

ملک میں 16 ویں لوک سبھا انتخابات کے نتائج سامنے آئیں اور بہت ہی حیران کن طریقہ سے سیکولرزم ،اتحاد و اتفاق شکست و ریخت سے دو چار ہو گیا اور جس کا خطرہ سیکولر ذہنیت کے افراد محسوس کر رہے تھے وہ خطرہ مافوق العادت طریقہ سے ہندو ستان کے تاج و تخت پر قابض ہو گیا اور سیکولر افراد اپنی شکست و ریخت سے دو چار ہو کر جام غم فراموش لیکر بزم ماتم میں اپنی نشست پر جا بیٹھے ۔اب اس ملک کا کیا ہو گا ؟جمہوریت کن کن خطرات سے وقتاً فوقتاً دو چار ہو تی رہے گی اس ذیل میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے اور وقت سے پہلے پیشن گوئی درست بھی نہیں ہے کیونکہ عوام کے سواد اعظم نے جس امر کو ہندوستان اور اس کی جمہوریت کیلئے موزوں خیال کیا ہے وہ امید کی جانی چاہیے کہ درست ہی ہو گا تاہم آیئے محترم کلیم عاجز صاحب کی ایک پر سوز غزل کے چند اشعار ملاحظہ کریں اور سوز و غم کے کیف و کم سے آشنا ہوں ۔

ایسی بہار آئی کہ اب کی بہار میں
سایہ نہیں کسی شجر سایہ دار میں
کیا ہو گی اے جنوں تیری خاطر بہار میں

ایک پیرہن تھا وہ بھی نہیں اختیار میں
کیوں روشنی نہ ہو چمن روزگار میں
بیٹھا ہوں گھر کو آگ لگا کر بہار میں
تو اے کرن ! امید کی ہے کس دیار میں
اب تو سحر سے شام ہوئی انتظار میں
ہیں ایک ہی چمن میں مگر فرق ہے بہت
ان کی بہار اور، ہماری بہار میں

ہاں واقعی ان شاہدان ستم گر کا اگر غم نہ ہوتا تو بالیقین مکتب فیضان کرم بھی مضمحل نہ ہوتا اور یہ بات بھی نہ ہوتی کہ عاشقان پاک باز اپنی تشنگی کو دور نہ کر پاتے مگر اف ! یہاں تو بساط عشق ہی الٹ گئی اور عین موسم بہار میں خزاں نے اپنا قبضہ جمالیا ہمیں افسردگی اور رمایوسی کیوں ہو کہ جس پر فرقہ پرستی کی مہر لگی ہوئی تھی اور جس کے نام سے ہی مسلم اور سیکولر طبقہ حرف نفریں ادا کیا کرتا تھا یکلخت ہندوستان کا ملک ہو گیا یہ تو اس کی اپنی

قسمت اور تقدیر کی پامردی اور بلند ہمتی ہے کہ اپنے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کرنے میں کامیاب ہو گیا بلکہ افسردگی اور الم خاطر تو یہ ہے کہ عوام کے مزاج و مذاق کو کس کی نظر لگ گئی کہ سیکولرزم پر یقین نہ رکھ کر آر ایس ایس کے مشہور و مقبول ایجنڈوں پر کاربند بی جے پی پر اعتماد کلی کرکے اپنی حمایت وتائید کی مہر لگادی ؟ملک میں انقلاب عوامی تحریک اور عوامی جدو جہد کے باعث ہی آتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ انقلاب اگر دم توڑتا ہے تو اس کے پیچھے قائدین اور سیاستدانوں کی نااہلی اور کوتاہ قدمی کارفرماہوا کرتی ہے ملک میں انقلاب آیا ہے اس انقلاب کا خیر مقدم ہے تاہم خیر مقدم اس امید کے ساتھ کہ وہ صرف ایک ہی ایجنڈہ پر غور و خوض نہ کرے اور اپنی پوری قوت صرف ایک ہی ذیل میں صرف نہ کرے بلکہ تمام طبقات کو ساتھ لیکر چلنے کی راہ کو ہموار کرے کہ ہندوستان اسی امر کا مطالبہ کرتا ہے تاہم بڑے ہی افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ موجودہ حکومت نے کچھ ایسے کارہائے عشق کو انجام دیا ہے کہ مذاق دہن ہی نہ بگڑا بلکہ مکمل تلخی پھیل گئی اولاً سچر کمیٹی کی سفارشات کے متعلق وزیر باتدبیر نجمہ ہبت اللہ کا رعفرانی بیان سامنے آیا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سچر کمیٹی کی سفارشات نافذ کی جائیں محترمہ کا یہ بیان کہاں تک درست ہے کہ مسلمان اقلیت میں نہیں ہیں بلکہ پارسی لوگ ہیں ؟آخر یہ تو واضح ہونا چاہیے کہ پھر جو لوگ اقلیت میں ہیں ان کو کیا کہا جانا چاہیے یہ تو ان کی اپنی دیدہ وری ہے کہ جو اصطلاح مسلمانوں پر

منطبق ہوا کرتی تھی اب وہ اصطلاح پارسی حضرات کیلئے مستعمل ہونے لگی سچر کمیٹی کی تمام سفارشات مسلم مسائل پر مبنی ہیں اور اس کے نفاذ میں براہ راست مسلمانوں کو فائدہ تھا لہٰذا اس امر کے ذریعہ یہ باور کرانے کی اپنی کوشش کی جارہی ہے کہ نہ تو مسلم اقلیت میں ہیں اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ تمام سفارشات درست ہیں بلکہ بعض ایسی خامیاں موجود ہیں جن میں کافی حدتک اصلاح کی ضرورت ہے یہ لب و لہجہ بلکہ تیشہ زنی نجمہ ہبت اللہ کی نہیں ہے بلکہ یہ ان نظریات کی ترجمانی ہے جن نظریات کی تخلیق آر ایس ایس کرتی ہے اور ہر فرد جو اس سے وابستہ ہو وہ اس کی ترجمانی پر مجبور ہوا کرتا ہے، نجمہ ہبت اللہ ہی مودی کابینہ میں واحد مسلم چہرہ ہے اور پھر اس مسلم چہرہ سے کسی فریب میں آنا ہماری طالع زبونی ہوگی کیونکہ ہر رگ و ریشہ میں آر ایس ایس کے نظریات خون بن کر دوڑ رہے ہیں لازماً ان ہی نظریات کا اظہار ہوگا اور اس اظہار کے تئیں تمام زریں اصول کو کالعدم تصور کیا جائے گا۔

وہ لوگ جو سیکولرزم کے حامل تھے آخر ان کو شکست کیوں ملی ؟ یہ سوال نہایت ہی اہم ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ملک میں اس خطرہ کے جوان ہونے کا قوی امکان ہے کہ جس خطرہ کے متعلق سیکولر ذہنیت اور سنجیدہ فکر کے حامل لوگ متفکر تھے اور بار بار اس سے ہوشیار رہنے کی تلقین و ترغیب بھی کیا کرتے تھے کانگریس کو جس طرح ذلت آمیز شکست ملی ان کے

اسباب و عوامل ویسے تو بہت ہیں تاہم اتنا ضرور ہے کہ بد عنوانی نے اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں اور مہنگائی کی ہو شربائی بھی کافی حد تک بڑھ چکی تھی جہاں تک مسلم طبقہ کے ساتھ رویہ کی بات ہے تو یہ بد نصیب اور ازلی طالع زبوں مسلمان ابتداء سے ہی اپنی حرماں نصیبی اور فریب خوردگی کو اپنی تقدیر تصور کر رہے ہیں تو بھلا کیونکر اس کا شکوہ کریں ؟امیدیں تو وابستہ ہر ایک جماعت سے ہیں کانگریس ہی کیوں ہو بھاجپا سے بھی امید ہے لیکن پھر یہ بھی سوال سامنے آ کھڑا ہوتا ہے بھلا کب تک دامن دراز کئے رہیں بی جے پی کا اقتدار پر غلبہ ہو گیا ہے اور جس کا خوف تھا وہ طوفان ہو شربا بھی آیا اور آ کر پورے ہندوستان پر محیط ہو گیا اب جو خدشات چند ایام قبل تھے ان کے لاحق ہونے کا وقت ہو چکا ہے لیکن یہ دیکھنا ہو گا کہ کیا اپوزیشن میں رہتے ہوئے جو کچھ کیا اور کہا تھا کیا وہ اب اقتدار میں رہتے ہوئے کیا اور کہا جائے گا؟ مسلم کش فسادات اور فرقہ وارانہ ماحول سازی کی جاتی رہے گی ؟جو لوگ بے گناہ سلاخوں کے پیچھے ہیں کیا ان کو رہائی ملے گی ؟جو لوگ امن پسند شہری ہیں ان کو بے بنیاد الزامات کے تحت ''جیل بھرو'' کے تعشق سے آزادی ملے گی اور انسداد فرقہ وارانہ فساد بل ہے اس کو منظور کیا جائے گا ؟؟؟ یہ خدشات ہیں لیکن توقعات سے کہیں بڑھ کر اور پھر ہم کن توقعات کو اپنے لیے مناسب خیال کریں کہ جب سپیدی سحر میں ہی ہماری شام ہو گئی ہو !!

بھارت ایک جمہوری ملک ہے اور یہاں صرف جمہوری حسن کا ہی سکہ چلے گا اگر اس میں شی دیگر کا اختلاط ہوا تو پھر اس کے لیے زہر ہلاہل ہی ثابت ہو گا لیکن موجو دہ حکومت نے آتے ہی اپنی اصلیت کا اظہار کر دیا کہ ان کے جو عزائم اول وقت میں تھے وہ اب بھی محکم ہیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے میں تاخیر مناسب نہیں مسئلہ صرف مسلمان کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ ہندو ستانیت کا ہے کہ اگر جو نظریات و افکار آر ایس ایس کے ہیں اگر وہ ملک میں نافذ ہو جائے تو پھر اس ہندو ستان کا کیا ہو گا جس ہندوستان کا خواب ہر ایک ہندوستانی دیکھتا ہے ؟خواب دیکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو نی چاہیے کیو نکہ ہر فرد یہاں آزاد ہے اور اسی آزادی کی رو سے اچھے .برے خواب دیکھ سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام خوابوں کی تعبیر مل جائے آر ایس ایس نے مودی کی شکل میں وزیر اعظم کا خواب دیکھا تھا در حقیقت وہ خواب پورا ہو گیا ہے لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ جو عزائم اور افکار جمہوریت کے متصادم ہیں وہ پورے ہو جائیں یقین کیجئے ! یہ امر کو ہ گراں ثابت ہو گا کہ تمام ملک میں زعفرانی رنگ کا غلبہ ہو گا اور پھر ایسا ہو بھی کیوں سکتا ہے بھارت کا حسن ازلی مفقود ہو جائے ۔ملک کے موجو دہ وزیر اعظم اپنے بیانات میں بار بار اس امر کی تصویب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمام طبقہ کو ساتھ لیکر چلنا ہمارا فریضہ ہے تاہم دیکھنا ہو گا کہ ان کی بات کہاں تک درست ہے ثابت ہو تی ہے کیو ں کہ موصوف کی شبیہ ازل سے ہی ناپسندیدہ ہے اور ایک .بڑے طبقہ میں ان کے تئیں

صحیح اور راست خیالات نہیں ہیں موجودہ حکومت کیلئے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ کیا وہ مسلم طبقہ میں پھیلی بدگمانی اور بیزاری کو دور کرپاتی ہے یا نہیں یا پھر گذشتہ کی ہی طرح مزید بے راہ روی اور فکری گمراہی کاپیہم مظاہرہ ہوگا۔

اگر سچر کمیٹی کی سفارشات میں خامیوں کا وجود ہے تو پھر یہ بھی لازمی ہے کہ ان خامیوں کو اجاگر کیا جائے اور پھر اس ذیل میں اصلاح کی کوششیں کی جائیں ورنہ نتائج کی درست امید نہیں کی جاسکتی دفعہ 370 کو کالعدم قرار دیے جانے کی کوشش بھی زعفرانی نظریات کی پیروی ہے دفعہ 370 اگر ہندوستانی آئین کی رو سے درست نہیں ہے تو اس کی تغلیط کیلئے دلیل فراہم کرنا ہوگی کہ کس ذیل سے یہ غلط ہے جہاں تک اس کے درست ہونے کی بات ہے تو یہ اولاً واضح ہو جانا چاہیے کہ دفعہ 370 کشمیریوں کیلئے ایک خصوصی مراعات ہے اور اس میں ترمیم کیلئے بحث کرنا اور سیاسی توڑجوڑ کرنا بے عقلی اور کج فہمی کی دلیل ہے، ورنہ چھیڑ چھاڑ سے کیا فائدہ مسلم ریزرویشن وقت کا اہم تقاضا ہے لہٰذا اس مقتضی کو پورا کیا جانا چاہیے اور جو بدگمانی مزید پھیل رہی ہے اس کو دور کرنا لازمی ہے کیونکہ اس سے ایک طبقہ مایوسی کا شکار ہوگا جو کہ ایک جمہوری ملک کیلئے زیب نہیں ہے کیا اسی طرح مستقبل میں ان کارہائے عشق کا اظہار ہوگا؟؟ یہ سوال بہت ہی اہم ہے کہ مستقبل میں مسلمانوں کیسا تھ ایسا

ہی ہو گا تاہم اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ یہ چند کروڑ مسلمان بھی ہندوستانی ہیں اور ان کو بھی دیگر ہندوستانیوں کی طرح جینے کا حق دیا جائے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ یہ جمعیت ہندوستانیت سے برگشتہ ہو جائے اور اس کے معانی و مفاہم سے بھی بالکل ناآشنا ہوں۔

قاعدات الجہاد کا قیام ایک مغربی سازش

القاعدہ کی جانب سے جاری ۵۵/منٹ کے ویڈیو میں جو اعلانات کئے گئے وہ القاعدہ جیسی کالعدم اور دہشت گرد تنظیم کیلئے کوئی اہم اور خاص بات نہیں ہے بلکہ یہ اس کے لیے روزمرہ کی طرح بات ہے تاہم اس ویڈیو سے مسلمانان ہند کیلئے ضرور خطرات کے بادل منڈلا گئے ہیں اور جہاں ایک طرف لوجہاد کے مفروضہ کے ذریعہ مسلمانان ہند کی شبیہ مسخ کرنے کی یرقانی اور زعفرانی کوشش جاری تھی اس کوشش کو القاعدہ کے جاری کردہ ویڈیو سے مزید تقویت ملے گی اور یرقانی گروپ اس اعلان کو لوجہاد سے جوڑ کر مدلل کرے گا کہ القاعدہ کا ہندوستانی مسلمانوں سے کہیں نہ کہیں کوئی رشتہ ضرور ہے اور ہندوستانی مسلمان بھی اس کالعدم تنظیم سے ارادت رکھتے ہیں اسامہ بن لادن کی پراسرار موت کے بعد ان کے نائب ایمن الظواہری اس مذکورہ تنظیم کی سربراہی کررہے ہیں اور موصوف کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ امریکہ اور دیگر مسلم مخالف ممالک سے دودوہاتھ کریں آیاالقاعدہ کے منصوبوں میں کون کون سے امور شامل ہیں؟جب ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں اس ذیل میں سوائے ناکامی اور نامرادی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں لگتا کیونکہ وہ لیبل تو اسلام کا لگاتے ہیں مگر سراسر اسلامی اصولوں سے انحراف کا عنصر اپنی شناخت کے قیام میں سرگرداں ہوتا ہے اور جہاں کہیں بھی اسلامی آثار وشعائر کا وجود نظر آیا

ان کو مٹانے کی اپنی سی موہوم سی کوشش کرنے لگے اور پھر چشم عالم نے مقدس فریضہ جہاد کی بے حرمتی اور اس کی تقدیس و تعظیم کی پامالی واضح تصاویر کے ساتھ دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ القاعدہ اسلام مخالف ہے یا اسلام کا محافظ ونگہبان۔

القاعدہ کے مذکورہ اعلانات سے جہاں یرقانی اور زعفرانی گروہ اپنے دعووں کی فراہمی دلیل پر مسرور ہے تو وہیں مسلمانان ہند تذبذب اور خوف کے شکار ہیں کہ اب صورتحال کس سمت کروٹ بدلتی ہے کیا واقعی القاعدہ اپنے اعلانات کو بروئے کار لائے گا؟ کیا ان اعلانات سے بھگوا اور یرقانی افراد لو جہاد کو چیخ چیخ کر سچا ثابت کریں گے؟ موجود حکومت جس کا قیام ہی ہندوازم کی سخت گیر بنیادوں پر ہے، مسلمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے؟ اور کیا ہوگا ان کمزور رہتے مسلمانوں کا جو لفظ 'جہاد' کے تکلم پر بھی خوف محسوس کرتے ہیں؟ یہ تمام خطرات دفعتاً کسی برق سماوی کی طرح نازل ہو گئے ہیں اور ان خطرات اور اندیشوں کا ہونا بھی ضروری ہے کہ مسلمان جن کو ازلی بزدلی ودیعت کی گئی ہے اس نازک مرحلہ کا کس طرح اور کس قوت قلبی کے ذریعہ سامنا کریں گے اور مزید طرہ اور ستم یہ کہ ہم پر دہشت گردی اور انڈین مجاہدین میں شمولیت اور دیگر دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگ چکا ہے اور ہمارے لاکھوں نوجوان ان ہی بے بنیاد الزامات کے تحت عقوبت خانہ میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی

سے بیزار ہو چکے ہیں۔

موجودہ حکومت نے اس مذکورہ ویڈیو کی جانچ پڑتال کا حکم جاری کر دیا ہے نیز اس امر کی جستجو کا فرمان بھی دیا ہے کہ تحقیق کی جائے کہ واقعتہً یہ ویڈیو درست بھی ہے یا نہیں بھیجنے والا کون ہے اور کہاں سے بھیجا گیا ہے؟؟اگر واقعی بھیجنے والا کوئی القاعدہ سے وابستہ فرد ہے تو پھر حکومت کیلئے ایک خطرہ کی گھنٹی ہے اور اگر یہ ویڈیو جعلی ہے تو اس کا سراسر الزام غریب نہتے مسلمان پر ہی لگے گا کہ مسلمانوں نے ہی اس شرمناک اور بزدلانہ فعل کو انجام دیا ہے اور پھر اس کے تحت لاکھوں بے گناہ معصوم مسلمانوں کو پس زنداں کیا جائے گا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ تمام دہشت گردانہ افسانوں کی یہی ایک تلخ حقیقت ہے کہ تمام دہشت گردانہ کاروائیوں کے موجد اور خالق مسلمان ہی ہیں جب کہ اسیمانند اور پرگیا اور ان جیسے افراد کی فہرست بشمول ان کے 'کارہائے زریں' لوگوں کے سامنے عیاں ہیں بلکہ یوں کہہ لیں کہ ہندوستان میں ہمیشہ دورخی پالیسی اختیار کی جاتی ہے تو غلط نہ ہو گا۔

القاعدہ کس کے اشارہ پر کام کر رہا ہے کن قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہے؟اسلحہ اور دیگر جدید آلات حرب کہاں سے دستیاب ہوتے ہیں؟اور پھر کس حرص اور امید طمع کی غرض سے دنیا بھر کے نوجوانوں کو اس تنظیم سے وابستہ کرنے کیلئے اربوں اور

کھربوں روپے کی پیش کش کی جاتی ہے ؟ہر فرد بخوبی سمجھتا ہے اس تنظیم کی داغ بیل کس نے ڈالی کیوں ڈالی اس کے ایجنڈے میں کون سے کون امور شامل ہیں؟ میرے خیال سے اس کی وضاحت بے سود ہے اور پھر ہو بھی کیوں نہیں کہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملہ کس نے کروایا تھا؟؟ تمام غیر ملکی عملہ اس حملہ کے شکار ہو گئے مگر یہودی افراد جو اس میں کام کرتے تھے کیوں کر اس حملہ سے بچ گئے ان امور سے واقفیت ہے اور دنیا سمجھتی ہے کہ جو قوتیں اقوام عالم کو یرغمال بنا کر استحصال کر رہی ہیں وہیں قوتیں القاعدہ داعش بوکوحرام اور دیگر دہشت گرد تنظیموں کو کمک اور رسد رسانی کا کام انجام دے، رہی ہیں اور ان ہی قوتوں کے اشارے پر یہ تنظیمیں سرگرم عمل بھی ہیں۔

یہ تنظیمیں ازل سے اسلام کی حمایت کا برجستہ اعلان کرتی ہیں اور خدا کی محبت اور رسول ﷺ کا دم بھرنے کی منافقت بھی اختیار کر لیتی ہیں آخر ان تنظیموں کا کوئی بھی ایسا عمل ہے جو اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کر رہا ہو؟ سیر و مغازی کے ابواب ان سے خالی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دوران جنگ کسی بھی ایسے عمل کا ارتکاب کیا ہو جو انسانیت کے منافی ہو؟ نبی اکرم ﷺ کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے تو پھر ان تنظیموں کا یہ رد عمل کس امر کی طرف غماز ہے ؟؟ دراصل یہ تنظیمیں نہ تو اسلام کا دم بھرنے والی ہیں اور نہ ہی اسلام سے کوئی رشتہ استوار رکھتی ہیں اگر اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتی تو یقینا دہشت و تشدد اور درندگی کا یوں

مظاہرہ نہ ہوتا بلکہ حقیقتاً یہ تنظیمیں مغرب میں بیٹھے اپنے آقاؤں کے اشارے پر کاربند ہیں۔

عالم گیر پر پیمانے پر جس طرح سے اسلام کو بدنام کرنے کی یہودی اور مغربی سازشیں جاری ہیں بالیقین ہندوستان میں بھی القاعدہ کی شاخ کے قیام کا اعلان بھی ان ہی سازشوں کا ایک حصہ ہے کیونکہ فسطائیت اور مغربیت یہ نہیں چاہتی کہ مسلمان کہیں بھی چین اور سکون کی زندگی گذاریں لہٰذا کوشش یہی ہے کہ ہندوستانی مسلمان ساٹھ سالوں سے یرقانی اور زعفرانی ذہنیت کے ہاتھوں پس رہے ہیں اب مزید عالمگیر فتنہ کی شکار ہو کر اپنی رمق زندگی کو خیر باد کہہ دیں۔پڑوسی ملک پاکستان میں جو صورتحال دن بدن بنتی اور بگڑتی رہتی ہے اور جس طرح سے اصول اخلاقیات اور عمرانیات کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں وہ کیونکر ہیں؟ہم اور آپ تو یہی سمجھتے ہیں کہ دہشت گرد تنظیموں نے ایسا کیا ہے لیکن حقیقت بہت ہی مختلف ہے ان تنظیموں کو مالی امداد کون دیتا ہے؟جدید ترین اسلحہ جات کون فراہم کرتا ہے؟کون ہے جو ان کو خود کش دھماکہ کیلئے اکساتا ہے؟یقیناً اس کے پس پشت ہے کوئی ایسی طاقت جو سبز باغ دکھلا کر اسلام کا نام لیکر اور نعرہ تکبیر بلند کرکے خود کو دھماکہ سے اڑالیتا ہے یہ قابل غور امر ہے کہ جو طاقتیں پڑوسی ملک میں امن و سکون کو غارت کر رکھی ہیں وہیں ہندوستان میں بھی سکون غارت کردینا اپنا فریضہ سمجھ رہی ہیں یہ بھی

خیال کرنا ضروری ہے کہ 'آزادی' اور 'انقلاب' کی کشاکش ان ہی طاقتوں کے اشارے پر قائم ہے پڑوسی ملک کو تو تباہی کا ہم نشین بنا کر کے چھوڑا ہے کیا ہندوستان کو بھی جہنم کدہ بنا کر دم لیں گے؟ یہ سوال ہمارے دل و دماغ میں بھی کلبلا رہا ہے مگر یہ اس قدر آسان نہیں ہے کہ ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہو قاعدات الجہاد کی تمام تجاویز دھری کی دھری رہ جائیں گے۔

القاعدہ کے مذکورہ اعلانات کے باعث عوام میں سراسیمگی اور خوف کا پھیل جانا نتائج کا ثمرہ ہے لیکن عوام کو ان باتوں پر توجہ نہ دینے کی ضرورت ہے ساتھ ہی راقم موجودہ حکومت سے کہتا ہے کہ اس جانچ پڑتال غیر جانبدارانہ طریقہ کار سے ہونی چاہئے تاکہ کوئی معصوم جانب داری کا شکار ہو کر ہندوستان سے متنفر نہ ہو بلکہ ایسا طریقہ کار کو منتخب کیا جائے کہ ہندوستان کی عظمت و حرمت کا احساس دل میں موجزن ہو کیونکہ ماضی میں بار بار یہ معصوم افراد نے یہ محسوس کیا ہے ان کے ساتھ جانب داری اور تعصب کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔

وہ ہر بات میں اک نیا شاخسانہ ؟؟

ہماری بے چینی اور اضطراب بھی کس قدر الم انگیز اور غم افزا ہے کہ فرقہ پرست تو کجا ہندوستانی جمہوریت کے پاسبان و محافظ بھی ہم پر فقرہ بازی اور جذبات سے دل لگی کو اپنا مذہبی اور قومی فریضہ خیال کرتے ہیں جب کہ اس امر کا مکمل یقین ہے کہ شوالہ جمہوریت کے عقیدت مند بلا تفریق مذہب و ملت ، رنگ و نسل اور لسانی اور عمرانی سرحدوں اور بھید بھاو کو بالائے طاق رکھ کر تمام ہندوستانی ہیں خواہ وہ حرم کے اسیر ہوں یا پھر دیر کے پجاری وہ چاہے خانقاہ میں ''اللہ ہو'' کی صدائے ہستی رسا لگاتے ہوں یا پھر مٹھ میں تصور جاناں میں گم ہوں مگر ان کا دل اسی خاک ہند کو اپنے لیے ''رہ گذر عشق'' تصور رکرتا ہے ،اسی کو مولد کہتا اور اسی کو اپنا مدفن بھی لیکن یہ امر کم افسوسناک اور تلخ رسا ہے کہ بار بار قوم مسلم کے جذبات کو برانگیختہ کیا جاتا ہے اور ایک فرقہ کو مذہبی غیرت دلا کر قتل و خون اور مار کاٹ پر اکسایا بھی جاتا ہے اولاً تو کسی مذہبی جذبہ کی پامالی پر ہی گرفت ہونی چاہیے مگر خاموشی اور پراسرار خاموشی نے یہ بھی اجازت دے دی کہ قتل وخون اور مار کاٹ پر اکسایا جائے نتیجتاً اس فعل قبیح کو انجام دینے والے اپنے کار خیر میں مشغول ہیں اور موجودہ حکومت خاموش سر تخت اس نیرنگی وقت کا

تماشہ دیکھ رہی ہے گویا زبان حال سے کہہ رہی ہو کہ ۔

ہمت قاتل بڑھانا چاہیے

زیر خنجر مسکرانا چاہیے

یوگی آدتیہ ناتھ جو بی جے پی کے گورکھ پور سے ممبر پارلیامنٹ ہیں اور سوئے اتفاق سے موصوف گورکھ دھام جیسے عظیم مذہبی مرکز کے سربراہ اور روح رواں ہیں یعنی ایک مٹھ کے مہنت بھی ہیں لاکھوں افراد کے آستھا کے مرکز ہیں اور شردھالوؤں کی اصلاح و تربیت نیز اخلاق فاسدہ سے گریز اور اوصاف حمیدہ کی ترغیب و تلقین کی ذمہ داری بھی ان کے کندھوں پر ہے جہاں وہ وعظ وارشاد کے ذریعہ اپنے مریدین کی اصلاح کرتے ہیں وہیں ان پر یہ بھی ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ہندوستانی کی عظمت و رفعت اور آپسی اخوت و مروت کے پاٹھ پڑھاتے مگر یہ کیا کہ ایک نام نہاد مصلح اور خود ساختہ مرشد نے ایسے نازیبا کلمات کہہ ڈالیں جو کسی بھی طرح سے ایک مہنت کے لیے زیبا نہیں ہے انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ غفلت شعاری، بے مہری نیز رعونت و تکبر کی تمام سنتیں تازہ کر ڈالیں ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک نہیں ہے بلکہ وہ کار دیگر کو ہی اپنی ذمہ داری خیال کرتے ہیں اور اپنی شعلہ نوائیوں سے حرم کے اسیروں کے کاشانہ کو خاکستر کر دینا اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے ہیں آخر یہ ہوتا کیوں ہے ؟؟ کہ وہ اپنے اس فعل سے باز نہیں آتے ہیں ان کا مذہب تو انسانیت کا درس

دیتا ہے مگر وہ کیسے مذہبی شخص ہیں کہ مذہبی احکامات اور نظریات کے مخالف ہیں ؟جودھااکبر کے عشق میں گرفتار ہوئی تھی یا پھر اکبر از خود جودھاپر فریفتہ ہو گیا تھا یہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے اس سے قطع نظر جودھا اکبر کے معاشقہ کو تعصب کی نظر سے دیکھنا کس امر کی طرف اشارہ ہے ؟اور پھر مزید ستم یہ کہ بداہتہً کہا کہ اب کوئی جودھااکبر سے ساتھ نہیں جائے گی گویا انھوں نے یک جہتی اور دو دلوں کے رشتہ کو قوم کی عزت نفس کا مسئلہ قرار دیا انھوں نے جہاں ایک طرف اس رشتہ کے ذریعہ غیرت دلائی تو وہیں اس مبینہ غیرت کو مشتعل کرنے کا بھی فریضہ انجام دیا ہے کہ ''اب دشٹ سکندر اپنی بیٹی چندرگپت کو دے گا دینے کیلئے تیار رہے اب ہماری لینے کی باری ہے ''اس قول سے جس معنی کا اظہار ہو رہاہے وہ یہی کہ اکثریتی فرقہ کے لوگ اقلیتوں کی حرمت وعظمت کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ انتقاماًہوس و تشدد کی راہ اختیار کریں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مہنت یا گدی نشیں ایسے نازیبا کلمات کہہ سکتا ہے ؟؟اگر نہیں تو پھر موصوف یوگی کی یہ برہنہ تقریر کیوں کر درست ہے ؟؟اگر درست نہیں ہے تو پھر شوالہ جمہوریت میں براجمان انصاف کے لات و منات پر یہ گہرا سکوت کیونکر ہے ؟اور پھر جب یہ تمام عناصر باہم یکجا ہوں تو پھر ہندوستان کے کیا معانی ہوتے ہیں ؟صرف انتقام کی آگ ، قتل وخون ، عزتوں کی پامالی اور انسانیت کے بے حرمتی ۔یہ چند ہوش ربا تصاویر ہیں جن کی رونمائی ہمیں بار بار کرائی جاتی ہے کہ اب اقلیتوں کا یہی مستقبل ہیں اور

مظفر نگر، گجرات، مؤ، میرٹھ، مرادآباد، بھاگلپور اور دیگر مقامات میں ہونے والے فسادات کی یہی ایک تلخ حقیقت ہے۔

یوگی موصوف نے غیر دانستہ طور پر یہ باتیں کہی ہوں مگر جب اس مبینہ ویڈیو کو دکھایا گیا اور اس ذیل میں گفتگو کی گئی تو اعتراف کرتے ہوئے فخریہ انداز میں ان ہی باتوں کو دہرایا اور کہا کہ اگر ایک فرقہ (ہندو) کا ایک شخص مارا جاتا ہے تو بدلہ میں دوسرے فرقہ مسلم) کے دس آدمی مارے جائیں آخرش ان باتوں کا کھلم کھلا تکلم کس اجازت کے) بناء پر ہے؟ کس آئین کے روکے تحت درست ہے؟ عدالت عظمی کی شفافیت پر سوال نہیں کھڑا کیا جاسکتا لیکن یہ ستم کیوں روا رکھا گیا کہ بار بار ملکی آئین کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں اور کوئی مثبت اقدام سے خود کو روک لیا جاتا ہے؟ ماضی میں بھی انھوں نے کسی بھی امر کو خاطر میں لائے بغیر اشتعال انگیزی کی ہے۔ ۲۷ جنوری ۲۰۰۷ء کو گورکھ پور ریلوے اسٹیشن کے احاطہ میں یوگی نے اشتعال انگیزی کی ایک نئی طرح رکھی جس کے نتیجہ میں ماحول فرقہ وارانہ ہوگیا مکانات خاکستر کیے گئے، سرکاری اور غیر سرکاری املاک کو نقصان پہونچایا گیا اور کئی افراد جاں بحق بھی ہوئے علاوہ ازیں ۲۰۰۸ء میں بھی موصوف نے جمہوریت کا گریباں چاک کیا ہے اس ضمن میں ایف آئی آر بھی درج کرائی گئی ہے تاہم کاروائی پر جمود نے ہنوز ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ ۲۰۰۵ء کے مؤ کے فسادات میں بھی موصوف کے اشارے کارفرما تھے اور ان کی تنظیم

ہندو یوواواہنی کے افراد کی کاروائیاں اپنے عروج پر تھیں لیکن افسوس اور ستم یہ ہے کہ شواہد جمع کرنے اور تعزیرات ہند کے دفعات کے نفاذ کے بجائے خاموشی، پہلو تہی اور دورخی پالیسیاں اختیار کی جاتی ہیں کیا یہ انصاف کیساتھ کھلا نفاق نہیں ہے؟
اشتعال انگیز تقاریر کرنے اور اس جرم میں صرف موصوف یوگی ہی نہیں ہیں بلکہ کئی ان کے ہمنوا ہیں جو بار بار ہندوستانی فضا کو مکدر کر دیا کرتے ہیں پروین توگڑیا، اشوک سنگھل، راج ٹھاکرے، موہن بھاگوت، راج گری، ورون گاندھی اور دوسرے ہم نواؤں کی ایک لمبی فہرست ہے جو عوام کو مشتعل کرکے ووٹ حاصل کرنے نیز فسادات کی آگ پر تیل چھڑکنے کا ہنر خوب جانتے ہیں اور یہ بھی قابل حیرت ہے کہ کوئی کاروائی اور مثبت اقدام سے پہلو تہی سے گریز کیا جاتا ہے ۲۰/جولائی کو پروین توگڑیا کے حالیہ بیان کو بھلایا نہیں جاسکتا کہ انھوں نے راست طور پر مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ گجرات بھول گئے ہوگے مظفر نگر تو یاد ہوگا۔ الغرض ان بیانات کے پیش نظر فرقہ وارانہ ہم آہنگی، ملک کی سالمیت شدید خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ فرقہ پرست عناصر پر قدغن لگانے سے گریز پائی ہمیں شکوک و شبہات میں ڈال دیتی ہے کہ اس ہندوستان میں اقلیت بالخصوص مسلمان کی کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ مزید طرہ یہ کہ انتخابی جمع تفریق اور گنا ضرب میں محو نام نہاد سیکولر پارٹیاں اپنے ووٹ بینک اور دیگر مفادات

کیلئے کوشاں رہتی ہیں جب کہ ان تمام شدت پسندانہ کاروائیوں کا سدباب لازمی ہے
۔آخر زہر افشانی اور اشتعال انگیزیوں کا سلسلہ کب رکے گا؟؟ یہ اہم سوال ہے کہ ان کے
جمیع مقاصد کیا ہیں ؟کون سا عنصر ہے جو ان کو بار بار اس قبح پر آمادہ کرتا ہے
؟ہندوستان کی بقااور سالمیت صرف اور صرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں ہے اور وقت کا
یہی تقاضا ہے کہ ان عناصر کی تخم ریزی کی جائے جو 'اچھے دنوں' کا پھل دے سکیں ان
عناصر سے رشتہ یک قلم توڑ ہی لیا جانا چاہیے جو 'اچھے دنوں' کو 'برے دنوں' سے بدل
دیں۔

بی جے پی کی ہار فرقہ پرستی کا نتیجہ

لوجہاد کی حدت اور سرمستیوں کا اس طرح بی جے پی پر اثر پڑا کہ جہاں کثیر ووٹوں کے ساتھ انتخابات کے رخ،مزاج اور تصویر بدل گئی تھی اب وہیں مذکورہ یرقانی گروہ کو سانس لینا بھی مشکل واقع ہورہا ہے کیونکہ حدت عشق اور سرمستی سودا کا یقین اب موہوم ہوتا جارہا ہے اور یہ بات بھی واضح طور سے تسلیم شدہ ہے کہ جب تک عوام اور وہ بھی اکیسویں صدی کے افراد کو وعدوں کے وفا کی تصویر عیاں نہ دکھائی جائے ،اس کو عملی جامہ نہ پہنائے جائے نیز سودا کی سرگرانی کے ساتھ ساتھ مقتضیات عشق کو پورے نہ کیے جائیں عوام کو لفظوں کے جال اور معموں میں الجھا کر نہیں رکھا جاسکتا اور کب تک اس صدی کے عوام کو فریب خوردگی کا شکار بنایا جاسکتا ہے ؟بی جے پی نے عام انتخابات میں وہی کیا تھا لیکن بیدار عوام کو آخرش کب تک دھوکہ اور فریب میں مبتلا کیا جائے لازماً عوام نے اپنے غصہ اور عدم تکمیل وفا کے اضطراب کا یوں اظہار ہوا کہ 'اچھے دنوں' کا نعرہ تو کجا''لوجہاد'' کی حدت و کلفت بھی دم توڑتی ہوئی نظر آئی واقعتہً اگر موجودہ ''ستادھاری'' جماعت اپنے وعدوں کو وفا کرتی تو یوپی میں تاریخ سازجیت کے باوجود اس شرمناک شکست سے دوچار نہ ہوتی ۔ قارئین اور ارباب فکر و دانش اترا کھنڈ میں بی جے پی کی شکست یاد ہو گی کہ کچھ ہی دنوں میں ہی جس طوفان کا دعوی کیا جارہا تھا اترا کھنڈ کے کو

ہستانی اور برفانی سیاسی میدان میں اس کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اس خاتمہ سے موجودہ حکمراں جماعت کو بھی ایک خاموش پیغام ملا تھا کہ اگر اسی نفاق پر عمل ہوتا رہا تو نتائج کا رخ دوسری سمت بھی ہو سکتا ہے لیکن مسلسل غفلت ،فرقہ پرستی ،اشتعال انگیزی اور خود اعتمادی کے زہر نیز فتح کے جنون نے آج یو پی میں اس مقام میں لا کھڑا کیا ہے اب سوائے بغلیں جھانکنے کے کوئی دوسرا متبادل موجود نہیں ہے۔پہلے مرحلہ میں تبدیلی امکاں کا انتباہ دیا گیا تھا مگر جیت کے غرور نے سنبھلنے کا موقع نہ دیا، دوسرے مرحلہ میں بھی انتباہ کی گھنٹی بجی تھی بہار ، کرناٹک ،مدھیہ پردیش، پنجاب وغیرہ میں بھی اس انتباہی کاروائی کا شور غل سنائی دیا تھا مگر تغافل کیشی جاری رہی اب تیسرے مرحلہ میں انتباہ نے واضح پیغام دے دیا ہے کہ غفلت اور فتح کے گھمنڈ اور فرقہ واریت کی اشاعت کے باعث حاشیہ برداری کا ''تحفہ حرمانی'' عطا کیا گیا ہے۔

کیا یہ حکمراں جماعت کیلئے تازیانہ نہیں ہے کہ تیسرے مرحلہ کے ضمنی انتخابات کی ۳۳ سیٹوں میں سے محض ۱۳/سیٹ پر ہی سمٹ جانا پڑا اور مزید حسرت اور چاک گریبانی کی/ بات تو یہ ہے کہ ۲۶/ سیٹیں بی جے پی کے قبضہ والی تھیں اب ان سیٹوں سے ہاتھ دھونا پڑ رہا ہے۔یو پی میں گیارہ سیٹ کیلئے ضمنی انتخابات ہوئے ان ۱۱/میں سے ۸/سپا کے ہاتھ لگیں تو وہیں بی جے پی کو اپنی فرقہ وارانہ کارستانیوں کے باعث ۳/پر ہی اکتفا کرنا پڑا یوپی کے نتائج بی جے پی

اور یرقانی مریضوں کیلئے شاید ایک نسخہ مجرب ہو۔

آخر بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ یہ وہی اترپردیش ہے جہاں ۱۶/ مئی کو انتخابی نتائج نے ایک عجیب رخ اختیار کیا تھا اور جہاں ''کمل'' کے کھلنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا جاتا تھا، وہاں زبردست اکثریت اور کثیر ووٹوں کے ساتھ ایوان تک پہونچا گیا تھا لیکن آج محض چار ماہ کے اندر ہی واضح ہوگیا کہ وہ نتائج صرف ایک آوارہ ہوا کا جھونکا تھے اس کے پس پردہ کوئی اور بھی مضمرات تھے جو کارفرما تھے۔ حتی کہ چشم فلک نے بی جے پی کو اپنے یرقانی خول میں چھپتے ہوئے بھی دیکھا گیا اس موقعہ پر نہ تو لو جہاد کا زہریلا ایجنڈہ کام آیا اور نہ ہی فرقہ واریت کی بلاخیز تخم ریزی اپنا پھل دے سکی۔ اب اس زعفرانی جماعت کیلئے صرف ایک ہی موقعہ کہ وہ خود احتسابی کا عمل شروع کرے اور جہاں تک ہوسکے اس نکتہ پر غور کرے کہ اس شرمناک شکست کی وجہ کیا تھی ؟؟جب کہ انھوں نے اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار بھی لایا اپنی مکروہ شرست کا یوں اظہار کیا کہ فائر برانڈ یوگی آدتیہ ناتھ کو ہی اس ضمنی انتخابات کی مہم سپرد کردی اس امید کے ساتھ کہ جس طرح حالیہ گذشتہ عام انتخابات میں فرقہ پرستی کا زہر ہلاہل اور نفرت انگیز بیانات کے ذریعہ ماحول کو متعفن اور فرقہ وارانہ بناکر نیز رام مندر کے فرضی اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کے ذریعہ عوام کو بہکا کر ووٹ حاصل کیا تھا اس ضمنی انتخابات میں بھی ان ہی فریب کاریوں کے ذریعہ

ووٹ حاصل کیا جائے تاہم جو نتائج سامنے آئے اس سے یرقانی گروہ حیران ہی نہیں ہے بلکہ اپنی ناکامی کی خفت کو مٹانے کی کوشش بھی ناکام نظر آتی ہے۔ نتائج کے معاً فائر برانڈ یوگی آدتیہ ناتھ نے اپنی خفت مٹانے کی یوں کوشش کی کہ اس ناکامی کا سارا ٹھیکرا پارٹی اور دیگر رہنماؤں کے سر پھوڑ دیا اور کہا کہ ہمارے جو منصوبے، عزائم تھے ان میں خامیوں کا وجود تھا لہٰذا ''آتم ویش لیشن'' کی ضرورت ہے، ٹکٹ کی تقسیم میں بھی جانبداری اپنائی گئی ہے مگر یوگی یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ ان کی زہر افشانیوں نے ہی ان کی ساری جدوجہد پر پانی پھیر دیا اور ناکامی ان کے ہاتھ لگی آخر یوگی مان ہی گئے کہ کہیں نہ کہیں ہمارے عزائم میں خامیوں کا وجود تھا۔ مگر یہ اقرار کر لینے میں کون سی قباحت ہے کہ ساری غلطی ہماری نہیں بلکہ ہمارے سینئر لیڈران اور ان کے آقاؤں کی ہے جو بار بار عوام کو مختلف نام اور مختلف جہات سے گمراہ کرنے اور سماج میں بھید بھاؤ پھیلانے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ عوام نے جس امید اور یقین کے ساتھ مودی کو وزیر اعظم کیلئے منتخب کیا تھا وہ امید اور یقین تو دم توڑ ہی گئی ''اچھے دنوں'' کا فریبی نعرہ بلند کرنے والے بھی ''اچھے دن'' کو لا نہ سکے، عوام کو کیا ملا؟ سوائے نقصان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا، تختۂ مہنگائی اور بھکمری۔ پہلے ایک غریب خاندان رات کو بھوکا نہیں سوتا تھا لیکن اچھے دنوں کی ایسی آمد ہوئی ہے کہ یہ غریب اور یومیہ اجیر ایک وقت کی روٹی کیلئے بھی تڑپ کر رہ گئے سب سے زیادہ اس مہنگائی کا اثر متوسط طبقہ پر پڑا ہے تنخواہ تو اتنی ہی رہی

مگرجیب پر اضافی بوجھ نئی سرکار نے جبراً ڈال دیا ذرائع نقل وحمل کا کرایہ بھی حسب عادت بڑھادیا گیاالغرض نئی سرکار کو کرسی پر بیٹھتے ہی محض چارماہ کا ہی عرصہ ہوااان ہی چارماہ کے عرصہ میں عوام مہنگائی سے اس قدر نالاں ہو چکی کہ شدید اضطراب پھیل گیاجس کا نتیجہ تینوں مراحل میں منعقدہ اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے نتائج میں ظاہر ہوگیا۔اس دوران جی بھر کے فرقہ پرست اوریر قانی مریضوں نے دل کی بھڑاس نکالی سوشل میڈیا تو کجاپروین توگڑیا، موہن بھاگوت ،اشوک سنگھل،یوگی آدتیہ ناتھ اورساکشی مہاراج جیسے لوگوں نے سرعام قتل وخون ،مارکاٹ اور نفرت انگیز بیانات اور شعلہ نوا تقاریر کیے جس کا حاصل اور مقصد یہی تھاکہ ضمنی انتخابات میں بھی ووٹ اور بھاری اکثریت حاصل کی جائے تاہم نتائج ان کے توقعات کے بالکل ہی خلاف برآمد ہوئے اور ان کی ساری یر قانی کوشش رائیگاں گئیں۔

تینوں مراحل میں ہوئے انتخابات کے نتائج سے جو امیدیں چارماہ قبل دم توڑ گئی تھیں وہ دفعتہ زندہ ہو گئیں اور عوام نے ایک بار پھر یہ ثابت کردیاکہ ہندوستانی کی بھارتیتہ''اور آپسی محبت بلکہ سیکولرزم ابھی زندہ ہے اور یہ بھی پرزوراندار میں واضح'' ہو گیاکہ لوجہاد کے فرضی شوشہ اور مکروہ پروپیگنڈہ کے ذریعہ ملک اور سماج کو بانٹنے کی کوشش کی جارہی ہے ہم اس کوشش اور مکروہ اقدام کے خلاف سینہ سپر ہیں یہ نتائج دراصل ایک خاموش پیغام ہے

کہ ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم کو اپنی بقاء اور امید زیست پر خوشیاں منانا چاہیے کہ سیکولرزم کی بنیاد مودی لہر سے کمزور نہیں ہوئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یرقانی مریضوں کیلئے بھی ایک نسخہ حیات بھی ہے کہ اپنی ضد، کبر، نخوت، فرقہ پرستی اور شرانگیزی کو مادر وطن کی خاطر چھوڑ دیں اور تمام گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلیں کیونکہ یہ وقت کا تقاضا بھی ہے اور ہندوستان کے اصل معانی کے فہم و ادراک کی سمت ایک مثبت قدم بھی ہوگا۔

بکھرتا ہوا بھگوائیوں کا شیرازہ

جس وقت دو ہمزاد کے رشتہ ازلی کے خاتمہ بالحرص کا اعلان ہوا ہوگا اس وقت بالیقین آنجہانی بال ٹھاکرے کی روح مضطرب ہو گئی ہوگی اور آنجہانی کو بعد مرگ اپنے خون جگر سے سینچے ہوئے باغ ارم کی تباہی و بربادی نیز 'تفریق طمع' کے باعث سخت صدمہ اور روحانی کوفت کا سامنا کرنا پڑا ہوگا کہ جس پودے کو سینچ کر اولاد کی طرح پالا پوسا، بڑا کیا وہ ناگہاں انتشار کا شکار ہو کر اپنے ہی ہم زاد و ہمنوا سے باہم دست و گریباں ہے۔ مہاراشٹرا اسمبلی انتخابات کے محض ۲۰/روز قبل بی جے پی اور شیو سینا کے ۲۵/سالہ اتحاد کا خاتمہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس عظیم جمہوری ملک کیلئے ایک نیک شگون بھی ہے۔ جہاں جہاں بھگوائیت پنپ رہی تھی وہاں اب سیکولرزم اور ہندوستانیت جنم لے رہی ہے یہ کار نیک بھگوائیت کیلئے بھی ایک تازیانہ ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے افکار و نظریات کا کس طرح جنازہ نکل رہا ہے۔ یوپی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے نتائج بھی ایک تازیانہ ثابت ہوئے تھے لیکن اب مزید اس ۲۵/سالہ بھگوا رشتہ کا خاتمہ بھی مزید کرب والم پیدا کر رہا ہے۔

حالیہ گذشتہ عام انتخابات میں تاریخ ساز جیت نے بھگوا ذہنیت کو اوج ثریا کے

مقابل کر دیا تھا لیکن اس غرور کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ جہاں انھوں نے عزت آمیز فتح حاصل کی تھی وہیں اب ذلت آمیز شکست نے غرور و فتح مندی کو تحت الثری کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ ہوش و حواس نے بھی اپنے ہوش گم کر لیے اور خود احتسابی کا موقع بھی اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا، بی جے پی ہو یا پھر شیو سینا اپنے افکار و نظریات اور مطمح نظر نیز مذاق عمل میں دونوں مساوی ہے دونوں جماعت ایک ہی خط پر کاربند ہوا کرتی ہے اگر بی جے پی نے اپنی مبینہ زہر افشانیوں سے ماحول کو پراگندہ کیا ہے تو وہیں شیو سینا نے اس پر داد و دہش نیز قول و عمل کی تحسین بھی پیش کی اور حوصلہ افزائی کا شرف بھی حاصل کیا۔

بی جے پی کے فائر برانڈ یوگی آدتیہ ناتھ نے یوپی اسمبلی کے ضمنی انتخابات میں ذلت آمیز شکست کے فوراً بعد ایک بڑی معقول، اہم اور قابل غور بات کی تھی کہ ہمیں ''آتم ویش لیشن'' کی سخت ضرورت ہے اور ان نکات پر غور و خوض کیا جانا چاہیے کہ کیا وجہ تھی کہ ہم عزت کے حصول کے بعد بھی ذلیل ہو گئے اور یہ ہمارا بھگوا علم ہماری ناکامیوں کے باعث جھکا ہوا ہے ؟ خود احتسابی کی جانب ایک نوجوان اور بدمست فائر برانڈ یوگی نے توجہ مبذول کرائی تھی کہ جس کا وطیرہ ہی ہمیشہ سے اشتعال انگیزی کا رہا ہو اور یہی اس بندہ لات و منات کا طرہ امتیاز بھی ہے۔ جب کوئی بدمست شخص سنجیدگی کی جانب دعوتِ فکر دیتا ہے تو توجہ بھی دی جاتی ہے کہ آخرش وجہ کیا ہے کہ آج ایک دیوانہ بھی ہوش کی باتیں کر رہا ہے ؟ بی جے

پی اور شیو سینا کے اتحاد کا خاتمہ پس پردہ ''خود احتسابی'' کا نتیجہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح یوپی میں ذلت آمیز ہزیمت اٹھانا پڑی مبادا کہیں وہی ذلت ،شکست اور شرمندگی مہاراشٹر کے اسمبلی انتخابات میں برداشت کرنا نہ پڑے۔ظاہراً سیکولر افراد کے سامنے نفاق بالعمل اور نفاق باللسان کی اداکاری کی گئی ہے مگر باطناً دونوں کے دل ایک ہی ہیں،ایک ہی ایجنڈے پر کاربند ہیں خواہ خط جدا جدا ہوں مگر سر رشتہ قلم تو ایک ہی مدار و محور پر قائم ہے ؛کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بات طرفین کی جانب سے بڑے وثوق اور اطمینان کے ساتھ بی جے پی خیمہ سے نہ کہی جاتی کہ ''شیو سینا سے دوستی کی روح بنی رہے گی''۔دوستی کی روح کی کیا تشریح ہوسکتی ہے؟ کس کو دوستی کی روح کہتے ہیں؟اور دوستی کی روح کے کیا مضمرات ہیں؟ارباب فکر اور ملک کے متفکرین حضرات بخوبی جانتے ہونگے کہ ۱۹۸۴ء کے لوک سبھا کے الیکشن میں کس خط مستقیم اور امر مساوی کے باعث اتحاد قائم ہوا تھا اور کس منزل کی حصولیابی کیلئے دو سخت گیر اور متشدد گروہ آپس میں گلے ملی تھی۔بابری مسجد کی جگہ کو رام مندر کے مفروضہ سے جوڑ کر ہندوتو کی ایک مضبوط بنیاد ڈالی گئی تھی اور ۱۹۸۹ء کے لوک سبھا الیکشن میں بھی ایک ساتھ مل کر اس نظریہ کے تحت ووٹ مانگا تھا۔بابری مسجد کی شہادت کے معاً بعد بال ٹھاکرے کا اعتراف جرم بھی یاد ہوگا اور اڈوانی کی خفیہ میٹنگ بھی یاد ہوگی اس تناظر میں کوئی بھی سالم العقل انسان فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ دونوں جماعت کیا چاہتی ہے۔ بالیقین ان تمام تناظر میں دونوں جماعت کی روح کی وابستگی اور یکسانیت مسلم

نظر آتی ہے ''روح کی دوستی'' کی دوسری تشریح یوں بھی ہو سکتی ہے کہ انتخابات میں ایک دوسرے کو حریف سمجھیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کیلئے اپنی پوری توانائی صرف کرڈالیں لیکن سرشت و جبلت ایک ہی ہے حصول مقصود کے بعد پھر ایک ہو جائیں اور اس کا اعلان بھی کردیں تاکہ جو پژمردگی بھگوا افراد میں پیدا ہو گئی ہے وہ خوش مذاقی میں بدل جائے۔جب روح کی دوستی کی یہ تشریح ہوئی تو پھر اس رشتہ کے خاتمہ کا اعلان چہ معنی دارد؟؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بزعم خویش اپنی سابقہ روایات کو پس پشت ڈال کر سیکولر افراد کو جھانسہ دینے کی کوشش کی ہے کہ ہم آج سے ایک دوسرے کیلئے اجنبی اور غیر ہو جاتے ہیں۔اور کیا یہ امید کرنا درست ہے کہ واقعی اس مبینہ ۲۵/سالہ اتحاد معنوی طور سے بھی ختم ہو گیا ہے؟؟یقیناً یہ امید کرنا سراسر خود فریبی اور ستم شعاری ہو گی کہ مذکورہ دونوں جماعت معنوی اور صوری دونوں طریقہ سے الگ ہو چکی ہے کیونکہ کتے کی دم ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہتی ہے اور یہ دونوں جماعت معناً اور صوراً کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتی اور پھر ان دونوں کا آپس میں ہمزاد کا رشتہ بھی تو ہے تو پھر یہ امید کیوں کر؟؟ بالفرض ہم اس کو درست بھی مان لیں تو اس انتشار اور خاتمہ کا اعلان عام انتخابات کے دنوں میں بھی ہو سکتا تھا لیکن جس مقصد کیلئے یہ مبینہ ۲۵ سالہ اتحاد قائم تھا وہ مقصد تو ۱۶/مئی کی شام میں ہی حاصل ہو چکا تھا اب اگر انتشار/ وافتراق کا اعلان ہوتا ہے تو یہ یقینی اور مسلم الثبوت ہے کہ اس ٹوٹتے ہوئے رشتہ کے پیچھے ان کربناک اور غم افزا نتائج سے

حفظ ماتقدم کی سمت اقدام ہے جو ان کو یو پی اسمبلی کے ضمنی انتخابات کے دنوں میں حاصل ہوئے تھے۔ محض اسمبلی انتخابات سے ۲۰/روز قبل اتحاد کے ختم ہوجانے کے کیا معانی ہو سکتے ہیں؟اور اس منافقت اور مفروضہ اداکاری کی کیا وجہ ہو سکتی ہے

اگر دونوں جماعتوں کے بیان کردہ وجہوں کی سمت نظر کریں توظاہر اًیہی واضح ہوتا ہے کہ سیٹوں کی تقسیم اور امیدوار کی نامزدگی کے تئیں درست مفاہمت قائم نہ ہو سکی اور صحیح رائے بھی تنزلزل کا شکار رہی۔شیوسینااور بی جے پی کے لیڈران کے مضحکہ خیزبیانات ملاحظہ کریں توکچھ اور ہی تصویر عیاں ہوتی ہے ،بی جے پی کی طرف سے کہاگیا کہ اس نے سیٹوں کی تقسیم میں کوئی مثبت دلچسپی نہ دکھائی تو وہیں بار بار ایک ہی تجویز کو مناسب اور درست خیال کیا جواس کے حق اور مفاد میں بہتر تھی تو وہیں شیوسینا نے اس کی وضاحت کی کہ این سی پی کے ساتھ خفیہ ڈیل ہوئی تھی اور مزید یہ کہ بی جے پی نے خود ہی اتحاد توڑنے میں عجلت سے کام لیا ہے۔مزید شیوسینا نے اس فریب کاری اور دھوکہ دہی کا ’’سامنا‘‘میں خوب جی بھر کر غصہ اتارااور لعن وطعن کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا اس کااداریہ اس کا گواہ ہے شیوسیناکی عقل مندی اور فن کاری دیکھیں کہ اس پورے معاملہ کو اپنے خود ساختہ بتوں کے حوالہ کردیا کہ اب اس کافیصلہ یہ بتانِ دیر کریں گے۔

دونوں جماعت کے لیڈران کے مبینہ الزامات کوئی معنی نہیں رکھتے سوائے یہ کہ وہ سیکولر ووٹ کو منتشر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے جو جمیع مقاصد ہیں وہ پورے ہو جائیں۔اب اس صورتحال میں سیکولر افراد کیا کریں کس کو ووٹ دیں اور کس کو نہ دیں کیونکہ کانگریس اور این سی پی بھی منشر ہوچکی ہے اور ان کے درمیان جو رشتہ قائم تھاوہ محض ووٹ کی حرص اور اقتدار کی طمع کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے یہ بھی اس وقت کا بڑاالمیہ ہے کہ سیکولر جماعت بھی منتشر ہوچکی ہے اس امر پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ یہ تمام مخمصے صرف اور صرف سیکولر ووٹ کو منتشر کرنے کا سیاسی حربہ ہے اگراس ذیل میں ہوشیاری نہ دکھائی تو نتائج راست ہوں امید کرناخطا ہوگی۔

پاکستان ہمارے صبر و تحمل کا امتحان نہ لے

ہمارے ملک کے وزیراعظم نے گذشتہ عام انتخابات کے مہم کے دوران ایک موقعہ پر اپنی بلند ہمتی ، بے پناہ قوتِ استمرار اور بیباکی کی یوں تمثیل بیان کی تھی کہ ان کے پاس ۵۶/انچ کا سینہ ہے اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بلند ہمت ، نڈر، بیباک اور جواں عزم وحوصلہ کے حامل ہیں۔ مودی مہودیہ کی یہ بات کہاں تک درست ہے اس کا اندازہ پاکستان کی طرف سے مستقل جنگ بندی کی خلاف ورزی اور متواتر فائرنگ کے عمل شرارت سے لگایا جاسکتا ہے موجودہ وزیراعظم نے جو کچھ بھی کہا تھا کیا وہ ایک صرف لفظی کاریگری تھی یا پھر اس بات کے اندر کوئی دم خم بھی ہے۔ اس امر پر غور کیا جانا چاہیے کیونکہ پاکستان کو اس وقت منھ توڑ جواب کی اشد ضرورت ہے اور ہمارا پڑوسی بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کو بھرپور من چاہی خوراک دی جائے۔ اس عمل سے یہ بھی واضح ہوجائے کہ ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتے ہیں اگر کوئی ہمارے ساتھ بدنیتی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم پر لازم ہے اس کی اوقات کی عبرت انگیز تصویر کی رونمائی کرادیں اور یہ بھی وضاحت کردیں کہ ہم ۵۶/انچ کا سینہ ایسے ہی نہیں رکھتے بلکہ اس دعوے کے اندر صداقت بھی ہے۔ بالاتفاق یہ کارِنیک ہمارے ملک کے وزیراعظم ہی کر سکتے ہیں؛ کیونکہ ان کا سینہ ۵۶/انچ کے دائرہ کا احاطہ کیے ہوا ہے لیکن بڑے افسوس

کیساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے ۵۶/انچ سینہ والے وزیر اعظم ریاست مہاراشٹر اور ہریانہ کے اسمبلی انتخابی مہم میں سرگرم ہیں۔الغرض خارجہ امور اور دفاعی امور کے وزراء حضرات نے پاکستان کو منھ توڑ جواب اور من چاہی خوراک پیش کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا ہے کیونکہ اب مزید چپ شاہ کا روزہ نہیں رکھا جاسکتا اور نہ ہی خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے اور نہ ہی معصوم شہریوں کی ہلاکت برداشت کی جاسکتی ہے۔

آخر پاکستان چاہتا کیا ہے ؟اس بزدلانہ حرکت کی وجہ کیا ہے.؟کیا وہ امن کا دوست نہیں بلکہ امن سے ازلی دشمنی ہے؟یہ درست اور بالکل مسلم ہے کہ جنگ سے کسی بھی ملک کا بھلا نہیں ہوا ہے بلکہ مزید معاشی اور اقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر ماضی میں دونوں ملک کے درمیان جو بھی جنگ ہوئی ہے اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟اس کو پاکستان بھی اچھی طرح سے جانتا ہے کہ کارگل کے بعد پاکستان کو کس معاشی اور اقتصادی بحران سے گذرنا پڑ۔اہندوستانی حکومت اس کو اچھی طرح سمجھ رہی ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ ہمارا پڑوسی خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے اصرار پر بضد ہے، ہندوستانی حکومت اس سے بھی باخبر ہے کہ اگر دونوں ملک میں جنگ ہوئی تو نقصان دونوں کا ہوگا مگر پاکستان کی ہٹ دھرمی اور پاگل پن ہے کہ وہ بار بار لائن آف کنٹرول پر اپنے لیے ہوئے حلف اور قسم کی بے حرمتی اور بے توقیری کو اپنا شعار سمجھ رہا ہے۔اگر ہندوستان بھی اسی کو لازمی خیال کرلے تو پھر خطہ کی کیا صورتحال ہو سکتی ہے اس کربناک منظر کو تمام لوگوں نے کارگل کی جنگ کے بعد دیکھا ہے

اور ادراک کیا ہے کہ جنگ سے کوئی بھی ملک ترقی نہیں کر سکتا لیکن ایک ہمارا پڑوسی پاکستان ہے جو بار بار اپنی عقل وخرد کی گمرہی، ازلی عناد اور دشمنی کا یوں اظہار کرتا ہے کہ امن وامان کے بجائے خوف وہراس اور سراسیمگی پھیل جاتی ہے اور اس کی سرشت وجبلت سے وابستہ فطرت بھی عیاں ہوجاتی ہے۔ پاکستانی فوج کی طرف سے یہ کوئی نیا اور پہلا عمل نہیں ہے بلکہ از تقسیم تادم تحریر ہزار بار فائرنگ اور وحشیانہ عمل کا ارتکاب کیا ہے کارگل یا پھر اس جیسی دوسری جنگ کا آخر کیا نتیجہ نکلا؟ سوائے نقصان اور معاشی بحران کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا ادھر کے بھی لوگ مارے گئے اور ادھر کے بھی کچھ لوگ اپنے کیے کی سزا پائے کیونکہ جنگ کا یہی ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے تمام سوالات اپنی جگہ سب سے اہم نقطہ فکر یہ ہے کہ پاکستانی حکومت کی طرف اس بزدلانہ حرکت سے کیا چاہتی ہے آیا وہ امن چاہتی ہے یا پھر اپنے ملک کی طرح اس ملک کو بھی آتش نمرود میں جھلستا دیکھنا چاہتی ہے؟ واضح ہو کہ پاکستان اپنے روز ازل سے ہی قتل وخون، خانہ جنگی اور مارکاٹ نیز مقدس اسلام کے نام کی تقدیس و تحریم کی پامالی نیز مسلکی نزاع کا بدترین مثالی ملک بن گیا ہے اور یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مملکت خداداد کا شاید ہی کوئی ایسا دن گذرتا ہوگا جس میں کسی معصوم کا بیجا خون نہ بہا ہو لوٹ کھسوٹ اور ڈکیتی کے واقعات روز کی کہانی بن گئے ہوں اور حب جاہ اور طول امل نے اپنی ایک نئی دنیا بسی رکھی ہو وہ ملک پاکستان کہلاتا ہے جب اس پاکستان کی یہ صورتحال ہے تو پھر اس نازک اور سنگین لمحہ میں کسی ملک

سے جنگ کیلئے آمادگی کا اظہار کرنا ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق نہیں ہے؟ پاکستان پہلے اپنے خارجہ پالیسیوں اور داخلی امور کی طرف نظر کرے کہ اس کا ملک خود اس وقت کسی دوسری ''آتشِ حرص'' میں جل رہا ہے اس کو ٹھنڈا کرے داخلی اور خارجی امور کی از سر نو تجدید کرے پھر کسی ملک سے اپنی اس حماقت (جنگ) کا اعلان کرے۔ یہی کارِ خود احتسابی پاک کیلئے سود مند ہے۔

دن سے مستقل فائرنگ اور تابڑ توڑ گولہ باری سے پاکستانی حرکتوں اور اس کی ۷/ ناپاک سازشوں کا یہ اظہار ہو رہا ہے کہ وہ امن اور خطہ میں خوشحالی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ اسے صرف جنگ وجدال اور معصوم شہریوں کی ہلاکت سے خدا واسطے دلچسپی ہے اور یہی نہیں بلکہ اس حماقت پر حیرانی ہوتی ہے کہ ایک طرف خود پاکستان داخلی سازشوں اور فتنوں سے برسرِ پیکار ہے تو وہیں دوسری طرف اپنے زخم کے کربِ مسلسل کے باوجود خطہ میں دو ملک کی جنگ کی آگ کو بھڑکا رہا ہے جب کہ پاکستان کی یہ مجموعی کیفیت ہے کہ عمران خان اور طاہر القادری موجودہ حکومت سے دو دو ہاتھ کیلئے تیار ہیں بلکہ ۱۴/اگست سے ہی میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور ''انقلاب و آزادی کے خواہاں ہیں وہاں کی عوام مکمل طور سے عمران فوبیا کا شکار ہو چکی ہے اور ہر طرف'' گو نواز گو'' کے نعرے لگ رہے ہیں، ہر ایک دیوار پر ''گو نواز گو'' کا نعرہ تحریر ہے حتی کہ '' سوشل سائٹس اور قومی کرنسی پر بھی عوامی غیظ وغضب کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں کہ لوگوں نے وہاں کی کرنسی کی

کیا درگت بنا رکھی ہے، عوام تبدیلی اقتدار اور انقلاب چاہتے ہیں تاہم نواز حکومت کی دلیری کہ وہ ان چیزوں کو خاطر میں ہی نہیں لاتی وہیں پاکستان کیلئے ایک سب سے بری خبر ہے کہ پاکستانی تحریک طالبان نے داعش جنگجوؤں کی امداد وحمایت کا اعلان کر کے نواز حکومت کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ضربِ عضب ''مہم مکمل طور پر ناکام اور فلاپ ہو گئی اور اس کے خاتمہ اور قلع قمع کے'' مزید اس کی طاقتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔اس اعلان سے نواز حکومت کی بے چینیوں میں بھی اضطراب پھیل گیا ہے کہ ایک طرف تو عمران اور قادری کے طوفان سے نبرد آزمائی کرنی پڑ رہی تھی اب ایک نئے طوفان سے آشنا ہونا پڑ رہا ہے۔الغرض مجموعی تاثر یہ ہے کہ پاکستان اس وقت سخت بدترین داخلی اور خارجی انتشار کا شکار ہے اور یہ کیفیت اور مثبت خیز نتیجہ .برآمد ہوتا ہے کہ پاکستان کیلئے جنگ کسی بھی صورت میں بہتر نہیں بلکہ ہلاکت آفرینی کی سمت دعوت ہے۔اصل واقعہ اور ان تمام احوال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نواز حکومت اپنی متذکرہ ناکامی اور خفت کو چھپانا چاہتی ہے اور عوامی توجہ جو سونامی یا انقلابی شکل میں پاکستان کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہے اس کو اس جانب سے ہٹا کر اس طرف مبذول کرائیں تاکہ اس کے خلاف ہونے والے ملک گیر ہڑتال، تحریکیں اور بغاوتی اقدامات تھم جائیں اور کچھ لمحے آرام کے حاصل کیے جائیں یہی وجہ ہے کہ پاکستان داخلی وخارجی انتشار کے باوجود مسلسل ہفتہ بھر سے جنگ بندی معاہدہ کی خلاف ورزی نیز بھارت کیساتھ اپنی .بزدلانہ حرکتوں کا بھی اعادہ

کر رہا ہے اگر نواز حکومت اپنی کمزوریوں اور ناکامیوں کو محسوس نہیں کرتی تو اس نازک وقت میں جنگ کیلئے اپنی آمادگی اور دلچسپیوں کا یوں اظہار نہیں کرتی اور نہ ہی فائرنگ کرکے ملک کے عوام کی توجہ اس طرف مبذول کراتی۔

مودی مہودیہ اور موصوف کے ماتحت وزیر باتدبیر کے ''منھ توڑ جواب'' کے اعلانات کسی حدتک درست بھی ہیں تو کسی حدتک عدم جواز کا بھی احاطہ کیے ہوئے ہیں یہ وقتی مصلحت ہے کہ منھ توڑ جواب دینے کا حکم دیا ہے لیکن اس وقت تک جو خبریں موصول ہو رہی ہیں اس سے یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی بھی وقت دونوں ملک میں ایک بار پھر کارگل جیسی جنگ ہونے کا خدشہ ہے۔ اگر ہندوستان مصلحتاً اقدام سے گریزاں ہے تو یہ عمل ہندوستان کیلئے ہی نہیں بلکہ پاکستان کیلئے بھی سودمند ہے کیونکہ جنگ کا کچھ بھی حاصل نہیں۔ یہ تو نواز حکومت اور اس کی خارجہ پالیسیوں کے بدترین مضمرات ہیں کہ وہ اپنی حماقت کا سرِعام مظاہرہ کر رہی ہے ''کہ آ بیل مجھے مار''۔ ہندوستانی حکومت صرف اور صرف اس جگہ دفاعی اقدامات کو ہی اپنی ترجیحات بنایا ہے اور کسی بھی اقدامی کاروائی سے کلی اجتناب کیا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ اس امر کو ضروری خیال کیا ہے کہ ان خطوط کو نواز حکومت کے سامنے رکھے جائیں جو خطہ میں امن وامان کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوں۔

کاش خطہ میں امن وامان کی صورتحال برقرار رہے لیکن ایسا لگتا نہیں ہے کہ

پاکستان امن کو اپنا شعار اور انسانی فریضہ خیال کرے گا اور اس کی فطرت میں خود قدرت نے ایسی شی ودیعت کی ہے کہ لاکھ عہد و پیمان کے باوجود اس امر کو موجبِ حق و صواب تصور کیا جاتا ہے جو کسی بھی طرح سے نہ انسانیت کا تقاضا ہے اور نہ ہی مقدس اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ یہ اپنی دھن میں بقول امجد اسلام امجد جو اتفاق سے پاکستان کے ہی مشہور کالم نگار اور بلند پایہ شاعر ہیں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ وہ کچھ دن قبل ہندوستانی دورہ پر تھے ۔

جستجوئے جاں کو امجد میں برا کیسے کہوں
جب بھی سامنے آیا تو، وہ بے وفا اچھا لگا

یہ پاکستان کی اپنی ستم شعاری ہے کہ وہ اسی ''جستجوئے جاں'' کو اپنا فریضہ خیال کرتا ہے جس کی تلاش ماضی میں لاکھوں افراد کر چکے ہیں لیکن ان کو اس سے کچھ بھی منفعت حاصل نہ ہو سکی ہے ۔ اگر جنگ نہ ہو تو یہ دونوں ملک کے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس سے سراسر نقصان ہی ہے۔

نفرت کی جو چنگاری ہے بجھالو اُن کو !!

زعفرانی، بھگوابلکہ یرقانی مریض اس امر کی فہم وادراک سے نہ جانے کیوں تنگ عقل ودانش ہے کہ یہ ملک ایک سیکولراور جمہوری ملک ہے اور یہاں تمام ہندوستانیوں کواپنے متعینہ کردہ خطوط ونکات پر مشتمل آئینی حقوق بھی حاصل ہیں اور تمام ہندوستانیوں کوایک مقررومنتخب شدہ پلیٹ فارم کے تحت گذران زندگی کامکمل حق ہے نہ کسی پر کوئی ظلم وزیادتی کرسکتاہے اور نہ ہی کسی فردبشر کواس امر کی اجازت ہے کہ وہ کسی بھی گروہ پرتعصب کے باعث بے جاالزامات عائد کرے۔لیکن ابھی کچھ روز قبل عیدالاضحیٰ کے مبارک ایام میں جوکچھ بھی کل کے گاندھی اورآج کے مودی کے گجرات میں ہواوہ افسوسناک ہی نہیں بلکہ جمہوریت کیلئے زہر ہلاہل اور موجودہ وزیراعظم کی دلنشیں تقاریر کی صورتِ زیباپرزوردار طمانچہ بھی ہے۔اورپھراس ہندوستان کاکیاہوگاجب محض بے بنیادخبروں پریقین کرکے قومی سیکورٹی کے اہلکاربغیر تحقیق وتفتیش کے ایک دوسرے جماعت پرداستان داروگیرکی رودادِالم کااعادہ کرے اور بے قصور مسلم نوجوانوں کی گرفتاری محض اس بے بنیادپروپیگنڈہ کے تحت کریں کہ وہ ان کے خود ساختہ جرم ''میٹ جہاد'' کے گناہ میں ملوث تھے،یقیناً محکمہ پولیس کے اہلکاروں کا یہ ایک ایسا قدم ہے جس سے نہ کہ صرف اعتمادپرکاری ضرب لگی ہے بلکہ یہ نمایاں طورپرواضح ہوگیاکہ یہ مودی کاہی

گجرات ہے اور یہاں صرف اور صرف ان ہی امور پر عمل پیرا ہوا جاتا ہے جن کی تخلیق وکاشت آر ایس ایس اور گولوالکر کے افکار و نظریات کرتے ہیں۔

ڈابھیل ایک مشہور عالم قصبہ ہے جہاں سے علومِ اسلامی کی صدیوں سے خدمات جاری ہیں ماضی میں بھی علومِ اسلامی کی شمع روشن کی ہے اور حال و مستقبل میں بھی ان ہی خدمات کو اپنے لیے باعث اعزاز تصور کیا جاتا ہے اور سب سے خاص بات یہ ہے کہ تمام سیاسی مخمصوں اور الجھنوں سے خود کو تنہا کرکے دینِ قیم کی ترویج واشاعت اور علومِ اسلامی کے فروغ واحیاء کو ہی مقصود وحاصل تصور کیا گیا ہے حتی کہ ۲۰۰۲ء کے المناک تاریخِ انسانی پر بدنما داغ گودھرا سانحہ اور گجرات مسلم کش فسادات جیسے دردانگیز اور اشک آور موقعوں پر بھی خاموشی کے ساتھ اپنے مقررہ اہداف وخطوط پر ہی کاربند تھا اور کسی بھی مزاحمتی کاروائیوں کو لائق اعتناء تصور نہ کیا گیا بلکہ اپنے لب سی لیے۔ لیکن جو کچھ وہاں ہو رہا ہے اور اقلیت کیساتھ جو سوتیلا رویہ برتا جا رہا ہے اس سے ایک بار پھر ۲۰۰۲ء کی ہولناکی نگاہوں کے سامنے رقصاں ہو جاتی ہیں کہ ابھی بھی وہ ہوس شیطانی'' خاموش نہیں ہوئی ہے بلکہ میں کہوں تو یہ کہ وہ ''ہوس شیطانی'' اپنے'' نقطہ عروج وشباب پر پہنچ کر اپنے اضطراب، سرمستیوں اور جنون کا اظہار کر رہی ہے۔ درحقیقت واقعہ کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کو بتایا جائے بلکہ ایک امر موہوم اور قول غیر صادق پر اعتماد کرکے محکمہ پولس کے اہلکاروں نے اپنے یرقانی مرض اور جنون کا اظہار کیا ہے گویا وہ

نشہ حب الوطنی میں سرشار نہیں بلکہ وہ زعفرانی نشہ میں آشفتہ سر ہیں اور اس آشفتہ سری کا ہی کرشمہ سمجھ لیں کہ وہ ان گناہوں کو کارِ خیر اور عملِ حب الوطنی سمجھ رہے ہیں۔ کسی مخبر نے یہ اطلاع دی کہ ڈابھیل کے ایک محلّہ میں گائے کی قربانی کی جارہی ہے اس افواہ اور بے بنیاد اطلاع پر گؤرکشا کمیٹی (وشوہندو پریشد) کے اراکین پولیس کی معیت میں آدھمکے اور گھروں میں گھس کر تلاشی لی اور جب ان کو اس 'کھوج ابھیان' یعنی تفتیشی عمل میں کچھ بھی ہاتھ نہ آیا تو اپنی بھڑاس نکالنے اور خفت مٹانے کیلئے دو مسلم نوجوانوں کو گرفتار کرلیا اور جب لوگوں نے ان بے گناہ قیدی کی رہائی کیلئے کوششیں کی تو جواباً اندھادھند گولیاں چلائی نتیجتاً دو افراد زخمی ہوگئے۔ اب آیئے! دعوت غور وخوض اور فکر دوں کہ از اول تا آخر تمام احوال پر نظر کیجئے تو جہاں گؤرکشا کمیٹی کے اراکین وعہدیداران نیز پولس کی ملی بھگت معلوم ہوتی ہے تو وہیں اس محکمہ کے اہلکاروں کے یقینِ نیم باز'' اور ''تصدیق وہم'' نیز مسلم دشمنی اور یرقانی سوچ بھی واضح ہوتی ہے کہ'' وہ اس ملک کے عوام تو دور کی چیز ہیں، ملک کی اعلی عہدیداران اور سیکورٹی افسران بھی زعفرانی نشہ میں مغلوب اور کسی بھی سوچ وفکر سے عاری ہیں۔ سیکورٹی اہلکار کیوں اپنے فرائض کو بھول بیٹھے ہیں؟ یہ امر سمجھ سے بالاتر ہے اولا جن دو لڑکوں کی گرفتاری عمل میں آئی ہے کس بنیاد پر کوئی ٹھوس ثبوت و شہادت اس مذکورہ محکمہ کے پاس ہے؟ اور پھر جب گؤرکشا کمیٹی (وشوہندو پریشد) کے ایک رکن کے ذریعہ یہ دھمکی دی گئی کہ

قیدی زندہ بچ نہ سکیں گے" تو اس وقت پولس کیوں کر چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئی تھی" اور پھر اس شخص کی ہمت کی داد دینی چاہیے کہ وہ پولس کی موجودگی میں دھمکیاں دے رہا ہے اس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا انھوں نے جانبداری کا ہی حلف لیا ہے یا پھر تمام ہندوستانیوں کی حفاظت کا حلف لیا ہے اور پھر جب ان دونوں قیدی کی رہائی کی کوشش کی گئی تو جواباً آنسو گیس اور ربڑ کی گولی کے بجائے کیوں کر اندھا دھند گولیاں چلائی؟؟ کیا یہ قانون اور انصاف کا نارواا ستعمال نہیں ہے؟؟ محکمہ پولس کا یہ دعوی ہے کہ اولاً ان پر پتھراؤ کیا گیا تھا بالفرض ایسا کیا گیا بھی تو تو معصوموں پر بے دریغ فائرنگ کا جواز کس دلیل کی رو سے ثابت ہوتا ہے؟

گجرات کو ۲۰۰۲ء کے ہولناک مسلم کش فسادات کے باعث بھی ایک مظلوم ریاست سمجھا جاتا ہے اور یہاں کے باشندگان کو ہمیشہ سے ہی مظلوم تصور کیا گیا ہے تاہم جس طرح کا یہ واقعہ پیش آیا ہے اس سے ریاستی پولس اور وہاں کے عوام کا متعصبانہ رجحان صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اس تمام واقعات میں سب سے بڑی اور حیران کن بات یہ ہے کہ وہاں واقع جامعہ کے ایک استاد مولانا عثمان صاحب کی گرفتاری بھی عمل میں آئی جس سے بے قصوروں کی گرفتاری اور دارورسن کی کہانی پھر زندہ ہو گئی۔

گجرات میں پھر سے ایک بار فراموش کردہ ستم کے اعادہ کی تیاری کی جارہی ہے اور ملک کے لیے مسلمانوں کو ایک قیمتی اور محب وطن قوم کہنے والے موجودہ ملک کے وزیر اعظم بالکل خاموش اور چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئے ہیں جب کہ اس بابت اس امر کا تقاضہ ہے کہ بے قصوروں کی گرفتاری اور بے جا ہراساں کیے جانے کا اس محبوب عمل پر قدغن لگائی جاتی اور جو وہ ہمیشہ سے کہہ رہے ہیں اس پر عمل کیا جائے تاکہ وہ اپنی باتوں میں سچے ثابت ہوں اور ملک کے عوام بھی ان کو ایک سچا انسان سمجھے ۔لیکن جس وقت ڈابھیل میں یہ سب کچھ ہورہا تھا اور وہاں کے (وشوہندوپریشد) کے ارکان پولس کی معیت و پشت پناہی میں اپنا منتخب کردہ ہدف تلاش رہے تھے تو اس وقت قومی سیکورٹی کے اہلکار ہی نہیں بلکہ قومی میڈیا جو لوجہادا ور میٹ جہاد کے بدنام زمانہ عنوانات کو چیخ چیخ کر بیان کرتا رہتا ہے اس واقعہ کو اس طرح چھپادیا کہ کسی بھی اخبار یا نیوزنیٹ ورک کی توسط سے عوام کے سامنے نہیں آنے دیا بلکہ اس کو خاموش کے ساتھ دبادیا گیا ۔جب کہ اس کو ملک کے عوام کے سامنے لانے کی کوشش ہونی چاہیے کہ گؤرکشا کمیٹی اور پولس کے اہلکاروں نے کیا کیا ہے اور کس جرم کی سزا باشندگانِ ڈابھیل کو دی جارہی ہے ۔اگر مرکزی حکومت اس بابت اپنی اسی متذکرہ فکر و خیال میں رہی تو یقینا ملک کے ایک بڑے طبقہ کو مایوسی کا شکار ہوناپڑے گا اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس بڑے طبقہ نے تمام تر امیدوں کو 16/ مئی کی شام میں ہی زندہ درگور کردیا تھا لیکن مودی مہودیہ نے اپنے بیانات اور

ایفائے عہد کے عہد و پیمان کے ذریعہ مردہ امیدوں کو زندہ کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے اور اس بڑے طبقہ نے اپنی امیدوں کی تجدید کرلی ہے اگر ڈابھیل کے مظلوموں کو انصاف نہ ملا تو یقینا اس امر کی طرف اشارہ ہوگا کہ جو بات مودی نے کہی تھی وہ محض عام انتخابات کی طرح لفظی کاریگری ہے۔ مظلوموں کو انصاف ملنا چاہیے اور جو بھی فرد اس ضمن میں خاطی ہے اس کو ضرور بالضرور سزا ملنی چاہیے تاکہ عوام کا اعتماد بحال رہے۔

ولی کامل حضرت مولانا جمیل احمد ناصری کی وفات: ایک حادثۂ کبریٰ

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

گزشتہ ماہ 14 ستمبر کو سرزمین بہار کو جس عظیم سانحہ سے دوچار ہونا پڑا، اس کی کسک مرورِ ایام کے بعد بھی زمانہ دراز تک باقی رہے گی، بہار کے ولی کامل حضرت مولانا جمیل احمد ناصری صاحبؒ نے اسی تاریخ میں اپنی حیاتِ مستعار کی آخری ہچکی لی،

حضرت رحمۃ اللہ علیہ خاکسار کے والد ہی نہیں، مربی بھی تھے۔ خاکسار کے پاس جو کچھ بھی اور جتنا کچھ بھی ہے سب انہیں کے التفاتِ تام کا ثمرہ ہے۔

والد مرحوم کی پیدائش جنوری 1933ء میں بلہا، کم تول، ضلع دربھنگہ (حال مدھوبنی) اپنے خالو حکیم نور حسین مرحوم کے گھر ہوئی تھی، آبائی گاؤں ناصر گنج نستہ (ضلع دربھنگہ) تھا، بود و باش اپنے آبائی گاؤں ہی میں تھی، لیکن خالہ سے تعلق خاص بنا پر بیش تر اوقات بلہا میں ہی بسر ہوتے، شادی کے بعد تو خالو کا گھر ہی ان کا مسکن ہوگیا تھا 1971ء میں تقسیم پاکستان کے نتیجے میں مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) میں رہ رہے خسر (جو حقیقی خالہ زاد

بھائی بھی تھے) ڈاکٹر سید غلام حسنین مرحوم نے جب اپنی پوری فیملی سمیت پاکستان ہجرت کی تو بلہا والد مرحوم کا مستقل جائے سکونت قرار پایا، چند بہنوں کے استثناء کے ساتھ خاکسار کے تمام بھائی بہنوں کی پیدائش اسی گاؤں میں ہوئی، آبائی گاؤں ناصر گنج نستہ سے فقط آمد و رفت کا رشتہ رہا، باقی پوری شناخت اسی گاؤں سے ملی، یہاں والد مرحوم نے 1980ء سے تا وفات مسلسل امامت فرمائی اور یہیں مدفون ہوئے۔

والد مرحوم باقاعدہ فارغ التحصیل تھے، ان کی تعلیم ابتداءً اسکول میں ہوئی، جہاں مڈل کلاس تک عصری تعلیم جاری رہی، یہ انگریزی دور تھا، اس دور کا مڈل کلاس آج کے آئی اے، بی اے سے کم نہ تھا، خاندان میں مولویت کا ہی بول بالا تھا، رخ دینی تعلیم کی طرف مڑ گیا، چنانچہ آبائی ادارہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں علوم دینیہ کی تحصیل کی غرض سے چند برس یہاں گزارے، یہاں ان کے چچا حضرت مولانا مفتی محمود احمد ناصریؒ (نستوی) صدر مدرس تھے، جو امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے تلمیذ رشید اور جید الاستعداد عالم دین تھے، بھتیجے کی سرپرستی انہوں نے خود ہی فرمائی اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنا انہوں نے اپنا مقدس فرض سمجھا، مدرسہ امدادیہ کے بعد شیخ یاد علی ناصریؒ کے نامور فرزند قاری محمد احسن ناصری صاحبؒ کے ایماء پر دارالعلوم مؤ کا رخ کیا، قاری محمد احسن

مرحوم والد مرحوم کے دادا مولوی عبدالصمد المعروف ڈپٹی صاحب کے علاتی بھائی تھے، قاری صاحبؒ کے عم محترم مولانا شاہ منور علی در بھنگوی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی تھے جو مدرسہ امدادیہ کے بانی مبانی ہیں، یہ ادارہ پہلے ان کے آبائی گاؤں نستہ میں قائم تھا، پھر انہیں کی زندگی میں ترقی پا کر لہریا سرائے در بھنگہ منتقل کر دیا گیا۔

والد مرحوم نے دارالعلوم مؤ میں پانچ برس گزارے، یہاں ان کے خاص اساتذہ میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد امین صاحبؒ، قاری ریاست علی صاحبؒ اور حضرت قاری محمد مصطفیٰ صاحبؒ رہے۔ انہوں نے ان پر بے انتہا شفقتیں فرمائیں، والد مرحوم کا گہرا اور بہت گہرا تعلق حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ سے تھا، یہ ادارہ کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث سبھی کچھ تھے، یہ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اعظمی مدظلہٗ کے والد بھی تھے، مولانا اعظمی مدظلہٗ والد مرحوم کے ہم عصر ہیں اور دو سال سینئر۔ دونوں میں بہت گہری دوستی بھی بھی، جس کا اظہار والد صاحب بھی کیا کرتے اور شیخ اعظمی بھی کئی بار کر چکے ہیں۔

مولانا ناصریؒ کو مولانا مسلم صاحب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ ان کے گھر کی ضروریات زیادہ تر انہیں کے ذریعہ انجام پاتیں، سودا سلف لانا اور گھر کی صفائی انہیں سے متعلق تھی، حضرت مولانا مسلم صاحب بھی انہیں بے پناہ چاہتے تھے، اس تعلق

خاطر کی وجہ خاندانی نجابت بھی تھی اور تعلیمی انہماک بھی، احقر کے دادا مولانا عبدالرشید ناصریؒ اور قطب عالم حضرت مولانا بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ گڑھولوی کی نانی حقیقی بہنیں تھیں، اس نسبت سے بھی مولانا محمد مسلم صاحب والد مرحوم پر کرم گستری فرمایا کرتے۔

1958ء میں والد صاحب کی فراغت دارالعلوم مؤ سے ہوئی، دستار بندی اس وقت کے قطب وابدال حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ کے ہاتھوں انجام پائی، مولانا ناصریؒ نے علوم عربیہ کی تکمیل ساتھ ساتھ قراءت کا نصاب بھی مکمل کیا تھا، حضرت قاری مصطفیٰ صاحبؒ اس فن کے استاذ تھے، والد مرحوم کی آواز میں زبردست شیرینی تھی، حضرت قاری مصطفیٰ کی کیمیا اثر صحبت نے انہیں بہترین قاری بنا دیا تھا، ان کے حسن تلاوت کو دیکھ کر حضرت قاری محمد احسن ناصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خطرہ تھا کہ میرے بعد تجوید وقراءت خاندان سے اٹھ جائے گا مگر ''جمیل'' کی تلاوت اور حسنِ صوت وادا سے ہمت بندھ گئی ہے کہ میرا کوئی وارث پیدا ہوگیا ہے، اپنی عمدہ قراءت کی بناپر بعض علاقوں میں والد مرحوم کو مولانا کے بجائے قاری کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، سب سے پہلے پھلوریا میں

مدرسی کی، یہاں ان کی تنخواہ 80 روپے تھی، پھر اراریہ کورٹ تشریف لے گئے، یہاں متواتر 22 سال مدرسہ یتیم خانہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، ساتھ ہی مسجد میں امامت بھی کی، اراریہ کورٹ کی مرکزی جامع مسجد اس وقت نہایت خستہ حال تھی، اس کا سائز بھی چھوٹا تھا، انتظامات کی بے حد کمی تھی، والد مرحوم کی خصوصی توجہ نے توسیع مسجد میں خاصا کردار ادا کیا، بجلی اور پنکھوں کا انتظام بھی انہیں کی خصوصی کوششوں سے ہو سکا، اراریہ کورٹ کے عوام و خواص انہیں قاری صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں، سابق مرکزی وزیر تسلیم الدین صاحب سے ان کے محکم مراسم تھے۔

اراریہ کورٹ میں میری دو بہنوں کا وصال بھی ہوا اور وہیں مدفون ہیں، والد صاحب کو اس سرزمین سے خاص لگاؤ تھا، یہاں سے جانے کے بعد اس علاقہ کو خوب یاد کرتے اور گاہے رودیتے، راقم الحروف کے حقیقی چچا مولانا نثار احمد صاحب ناصری اس وقت اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہیں قیام پذیر ہیں اور والد صاحب کے دور سے ہی اس مسجد کے مؤذن ہیں جس پر اب پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر رہا ہے۔

اراریہ کورٹ سے آئے تو اپنی سسرال (بلہا، کم تول، مدھوبنی) کو اپنی مستقل رہائش گاہ بنالی اور تب سے گاؤں کی مسجد کے امام و خطیب رہے، یہاں قائم

مدرسہ مہرالعلوم میں تدریس کا مشغلہ بھی جاری رکھا اور پورے گاؤں کو فیض پہنچایا، اس وقت 25 سے لے کر 50 کی عمر میں گاؤں کے جتنے مرد و عورت ہیں سب ان کے شاگرد ہیں، مدرسہ مہرالعلوم بند ہوا تو گھر کو ہی مکتب کے لئے استعمال فرمایا، جب نظر کمزور ہو گئی تو مکتب کا یہ مشغلہ ہمیشہ ہمیش کے لئے چھوٹ گیا، ذریعہ آمدنی یہی مکتب تھا اور جب ہم بھائی کمانے کے لائق ہوئے تو مکتب بند کر دیا گیا، امامت وخطابت کا سلسلہ مختلف مسجدوں میں 57 سال تک جاری رہا اور آخری پانچ سالوں کو چھوڑ کر جب تک یہ فریضہ ادا کیا محض حسبۃ للہ کیا، اس کے لئے کوئی پیسہ نہیں لیا۔

والد مرحوم کی نماز دراز نفس ہوتی تھی، وہ کوئی بھی نماز پڑھائیں، دس بارہ منٹ ضرور لگ جاتے، نماز میں خشوع و خضوع کامل و اکمل درجے کا تھا، وہ امام ہوں یا منفرد، لمبی نماز کے عادی تھے، ہم لوگ مسنون نماز پڑھ کے اٹھتے تو ان کی دو رکعتوں میں سے ایک ہی ادا ہو پاتی، نماز سے حد درجہ عشق تھا، جاڑا ہو، برسات ہو، گرمی ہو، سیلاب ہو، نماز اور مسجد ان کی کمزوری بن چکی تھی، فجر سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ قبل ہی بستر چھوڑ دیتے اور اور اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے، ہر وقت گھڑی پر نظر رہتی، دل مسجد میں اٹکا ہوا تھا، سنتیں عموماً مسجد میں ہی ادا کرتے، گاہے گاہے گھر پر بھی ادا کر لیتے، وضو بالعموم گھر سے ہی کر کے جاتے، مؤذن کسی وجہ سے اذان پر حاضر نہ ہوتے تو جا

کر خود ہی اذان دیتے، اذان میں وہ حلاوت ہوتی کہ سننے والا سنتا ہی رہتا، پورے لہجے کے ساتھ کلمات اذان کا تلفظ فرماتے، والد صاحب پر کبھی کبھی کوئی نماری ناگوار تبصرہ کر دیتا تو ہم اہل خانہ باصرار کہتے کہ امامت چھوڑ دیں، لیکن وہ یہی کہتے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ ایک عالم کے ہوتے ہوئے جاہل نماز پڑھائے، میری گرفت ہو سکتی ہے اور مسجد نہ جاؤں تو خدا کی بازپرس سے کیسے بچا جاسکے گا، لحن جلی والے اماموں سے انہیں سخت نفور تھا، اگر اتفاقاً کوئی ایسا شخص امامت کرتا تو اس کے سامنے ہی نکیر فرمادیتے۔

نماز کے معاملہ میں کسی طرح کی بھی کوتاہی برداشت نہ تھی، ہم بھائی بہنوں پر زبردست نظر رکھی جاتی، نماز کا ٹائم ہوتا اور مسجد جانے لگتے تو بہت تاکید کے ساتھ اپنے ساتھ جانے کے لئے کہتے، کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی رکعت چھوٹ گئی یا سنت ترک ہو گئی تو بگڑ جاتے اور برق و رعد بن جاتے، ہم لوگ جب تک بچپن کی حالت میں رہے ان کے زجر و توبیخ سے بچنے کے لئے نماز پڑھتے رہے۔ انہوں نے کبھی بھی اس معاملہ میں تغافل کو کوئی راہ نہیں دی۔

گاؤں کے لوگ والد مرحوم کو بہت مانتے تھے، کوئی جلسہ ہو، ان کی شرکت اور صدارت لازمی تھی، قاضی نکاح بھی وہی تھے، نماز جنازہ بھی وہی پڑھاتے، کوئی بیمار پڑجاتا تو اس کی عیادت ضرور کرتے، مریض کو حوصلہ دیتے، کسی کا انتقال

ہو جاتا تو اہل خانہ کو تعزیت پیش کرتے، اختلاف و انتشار کا ان کے یہاں کوئی تصور ہی نہ تھا، گاؤں میں ان کی کسی سے کوئی لڑائی نہ تھی، کوئی ناخوشگوار واقعہ کسی شخص سے صادر ہوتا تو کبیدہ خاطر ضرور ہوتے مگر اسے خدا پر چھوڑ دیتے، گاؤں میں کوئی بھی بندہ ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے مرحوم کی ان سے چپقلش رہی ہے۔

امامت وخطابت سے وابستہ ہونے کے باوجود کتابی صلاحیت ان کی کبھی متاثر نہیں ہوئی، اگر کسی بڑے مدرسہ سے وابستہ رہتے تو استاذِ حدیث ضرور ہوتے۔ نصابی کتابوں کی عبارتیں آخری دم تک یاد تھیں، کبھی جوش میں ہوتے تو عبارتیں سناتے، خصوصاً مقامات اور سلّم کے جملے تو ان کی زبان پر تھے، پڑھی ہوئی چھوٹی بڑی سبھی کتابوں کے نام یاد تھے، انہیں اکابر دیوبند سے بڑی محبت تھی، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ انہیں ''اپنا آدمی'' کہتے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ دسترخوان پر کھانے کی انہیں سعادت ملی ہے، شیخ الاسلام سے متعلق وہ اپنے چشم دید کئی واقعات بیان کرتے، مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ سے بارہا ملاقاتیں رہیں، اکابر علماءِ دیوبند کے تذکرے سے ان کی زبان تر رہتی، دیوبند کے اکابر کے نام خاکسار نے اسی وقت سن لئے تھے جب مکتب کی محدود دنیا میں ہی ابجد کا دور چل رہا تھا۔

والد مرحوم رفتار زمانہ سے کبھی بے خبر نہ تھے، خبروں کے لئے اخبارات کا مطالعہ اور ریڈیو کی سماعت ضرورت فرماتے، سرکاری اعلانات اور اسکیمیں ان سے کبھی فوت نہ ہو پاتیں، ملکی معاملات میں بڑے حساس تھے، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ نے انہیں اپنا نقیب بنایا تھا۔ رفاہی کاموں سے بھی انہیں بڑی دلچسپی تھی، یوں تو تمام مدارس سے ہی انہیں بھرپور عقیدت تھی مگر علاقائی مدرسوں میں مدرسہ محمود العلوم، دملا مدھوبنی) پر بڑے مہربان تھے۔ اس کے لئے ہر سال بذاتِ خود قربانی کی کھال اکٹھی) فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے موت بہت اچھی عطا فرمائی، رمضان کے جمعۃ الوداع کو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، جمعہ کی نماز بہت ہشاش بشاش پڑھ کے آئے ہی تھے کہ چند لمحوں کے بعد ان پر فالج کا حملہ ہوگیا، پونے دو ماہ تک مسلسل علاج چلا، مگر مطلوب افاقہ حاصل نہ ہو سکا، بیماری کے ایام میں کلمہ طیبہ کا ورد ان کی زبان پر پیہم جاری رہا، وفات سے تین پہلے ان کی زبان عربی ہو گئی تھی، وہ جو بھی گفتگو کرتے عربی میں ہی کرتے، البتہ جب اہل خانہ میں سے کوئی سوال کرتا تو اردو میں جواب دیتے، پھر عربی میں ہی بات کیا کرتے۔ جب نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو بہ آوازِ بلند انہوں نے سلام کیا اور کہنے لگے کہ آیئے کرسی پر بیٹھئے، اہل خانہ کے استفسار پر انہوں نے جاب دیا کہ ملک الموت آئے ہوئے

ہیں، پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ آج نہیں کل جائیں گے، دورانِ نزع کلمۂ طیبہ کے ورد میں حیرت ناک حد تک اضافہ ہوگیا تھا۔ کبھی کوئی آیت پڑھتے اور کبھی کوئی آیت۔ عیادت کے لئے آنے والے سلام کرتے تو ان کا جواب بھی دیتے، نزع کی یہ تکلیف سنیچر 13 ستمبر کو شروع ہوئی اور اگلے دن صبح کو ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ نمازِ جنازہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسین احمد ناصری سابق استاذ دارالعلوم مؤ نے پڑھائی۔ جنازہ میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، اتنی بڑی تعداد گاؤں کی تاریخ میں اب دیکھی نہیں گئی تھی۔ اطراف کے طلبہ مدارس اور اساتذہ و ذمہ داران جنازہ میں شرکت کے لئے امڈ پڑے۔

مرحوم کی کل 13 اولادیں ہوئیں، 9 بیٹیاں اور 4 بیٹے، جن میں 5 بیٹیاں ان کی زندگی میں ہی سدھار چکی ہیں اور ایک بیٹا اویس احمد ناصری۔ اس وقت 4 بیٹیاں اور 3 بیٹے ہیں جن میں سب سے بڑا طفیل احمد ناصری فاضل دارالعلوم مؤ، اس کے بعد راقم الحروف اور اس کے بعد حافظ فیاض احمد ناصری استاذ مدرسہ اشرف العلوم پرسونی، ضلع مدھونی۔ اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے انتقال کے بعد پورا علاقہ سنسان پڑا ہے اور رونق رفتہ کی بحالی ابھی تو نہیں ہو سکی ہے اور شاید برسوں لگ جائیں گے۔

بابری مسجد تو دلوں میں زندہ رہے گی

کل من علیہافان یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ ہر شی کو فنالازمی ہے لیکن سخت صدمہ
،افسوس اور حسرت کی بات ہے کہ جب یہ فناناگھاں اور اس سے بڑھ کرالم یہ ہے کہ
کسی حقیقتِ لابدی کو شمشیر وسنان کے زور پر سفاکانہ طریقہ سے فناکے گھاٹ
اتاردیاجائے۔بالیقین بابری مسجد کی شہادتِ کبری اسی الم کی ایک کربناک تصویر ہے
کہ جسے فرضی بنیاداور دیومالائی اعتقادِغیر راسخ کے تحت 6دسمبر1992
کوبزورِشمشیر شہید کردیاگیااور بعدِ شہادت بآوازِبلند یہ اعلان کیاگیاکہ ہم نے غلامی کے
آثار کو مٹاڈالااگرایک بابری مسجدغلامی کی نشانی تھی تویادرکھئے ! تاج محل اور لال
قلعہ ایک ایسی غلامی کی نشانی ہے جسے یہ اہرمن اور لات ومنات کے غلام بصد شوق
اپنی گردنوں میں حمائل کرکے فخر محسوس کرتے ہیں۔
ظہیرالدین بابرنے جب رانگاسانگا(سنگرام)اور ابراہیم لودھی کوشکست دی تھی
توخداکے حضور بطورِ تشکر اور عطاکردہ نعمت کے اظہارکیلئے اپنے سپہ سالار میرباقی
کوایک خوبصورت مسجد،دیدہ زیب سجدہ گاہِ نیازمند تعمیر کرنے کاحکم دیاجس کی تعمیر
27-1528 کومکمل ہوئی لیکن ہندو قوم پرست بلکہ سخت

گیر افراد کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ ظہیر الدین بابر کے سپہ سالار میر باقی نے عمداً رام جنم بھومی پر اس کی تعمیر کی ہے 1853 میں واجد علی شاہ کے عہد کے اودھ میں فرقہ وارانہ فساد ہوا نتیجتاً کئی ہزار جانوں کا اتلاف ہوا جس سے غیض و غضب اور جوشِ انتقام سے لبریز دم توڑتی ہوئی مغلیہ سلطنت کے آخری ایام میں ایک ایسے گروہ نے سر ابھارا جسے نرموہی کے نام سے جانا جاتا ہے یہ وہی جماعت ہے جس نے اولاً بابری مسجد کی تقدیس پر سوالیہ نشان لگایا تھا اور اسے ظلماً غصب کردہ آراضی کہا تھا نیز رام جنم بھومی کا تصور اسی فرقہ پرست گروہ نرموہی کا دیا ہوا ہے۔ انگریزی دورِ اقتدار میں اس گروہ میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اس ذیل میں کچھ بول سکے 1857 کی بغاوت کے بعد مسجد کی مقدس زمین کو شرک سے آلودہ کرنے کی کوشش کی اور ایک چبوترہ بنا دیا لیکن ان کے منصوبے خاک میں مل گئے؛ کیونکہ انگریزی حکام کے سامنے ان کی ایک بھی نہ چلی 1883 میں اس چبوترہ میں مورتی نصب کردی گئی اور اس دوران عدلیہ میں اپیل بھی دائر کی جاتی رہی کہ بابری مسجد کی زمین اصلاً رام جنم بھومی ہے لیکن جب جب اپیل دائر کی جاتی ججوں کی ذریعہ خارج کردی جاتی اس سے غیض و غضب اور اندرونی خلش کی جو چنگاری پنپ رہی تھی وہ رفتہ رفتہ ایک شعلہ بن رہی تھی اور 22 دسمبر 1949 کی وہ منحوس گھڑی بھی آئی جب تمام احکامات اور سیکورٹی کی تعینات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نصف شب میں مسجد کے صدر دروازہ کا تالا توڑ کر وشو ہندو پریشد اور دیگر یرقانی تنظیموں کے ارکان جے کار کے نعروں کے ساتھ اندرونِ مسجد گھس آئے

اور جو پولس اہلکار سیکورٹی کے فرائض انجام دے رہے تھے وہ یا جاگ کر سو رہے تھے یا پھر سو کر جاگ رہے تھے انھوں نے مناسب نہ سمجھا کہ کوئی اقدام کرے موجودہ وزیر اعظم پنڈت نہرو نے اس کی سخت مخالفت کی تھی اور اس وقت کے موجودہ یوپی کے وزیر اعلی گووند ولبھ پنت سے زجر و توبیخ بھی تھی اور سوال پوچھا کہ کس بنیاد پر بابری مسجد میں مورتیاں رکھی گئی ہے؟اور سخت لفظوں میں فی الفور مورتیاں ہٹا لینے کا حکم دیا تھا لیکن لکھنؤ میں مقیم گووند پنت نے اپنے نظریات اور نرموہی فلسفہ پر عمل کیا اور دوہری پالیسیاں اختیار کی اور فعلاً کارسیوکوں کے ساتھ مل کر اس عمل میں برابر کے شریک رہے اور مسجد میں پھر تالا لگا دیا گیا 1984 میں وشو ہندو پریشد اور دیگر بھگوا تنظیموں نے رام جنم بھومی کی ملک گیر تحریک چلائی جس کی قیادت لال کرشن اڈوانی نے کی اور ملک بھر میں رتھ یاترا نکال کر ہندو قوم پرستی کے چنگاری کو اپنی اشتعال انگیز تقاریر سے ایک شعلہ جواں بنا دیا نتیجتاً ملک کے عوام بالخصوص ہندو افراد میں ایک سخت قسم کی نفرت پیدا ہو گئی راجیو گاندھی نہرو افکار پر ثابت قدمی کے بجائے پھسل گئے اور تالا کھولنے کی اجازت دے دی اس سے قبل صرف وہاں ہندو سالانہ اجتماع کی اجازت تھی بنابریں بابری مسجد کے ایک حصہ پر ہندوؤں کا مالکانہ حق حاصل ہو گیا اور یہیں سے وہ چنگاری جس کو لال کرشن اڈوانی نے اپنے ہندوتو نظریہ کے تحت جلائی تھی، خس وخاشاکِ لاالہ کو خاکستر کرنے پر آمادہ ہو کر رفتہ رفتہ شعلہ بن کر احاطہ بابری مسجد کو بھی اپنے آتشیں حصار میں لے لینا چاہتی تھی۔ یہ مبنی

بر حقیقت ہے کہ بابری مسجد کی شہادت کی سازشیں دس سال قبل ہی تیار کرلی گئی تھیں جب اڈوانی نے جنوبی ہند میں رتھ یاترا نکال کر ہندوتوا اور نرموہی افکار کی تبلیغ کی تھی اور کربناک 6 دسمبر 1992 کی وہ گھڑی بھی آئی جب کلیان سنگھ کے حلف نامہ داخل کردینے کے بعد بھی کروڑوں لوگ جمع تھے اور یک بارگی نشانِ وحدانیت کو پل بھر میں زمیں بوس کردیا در اصل کلیان سنگھ کے ذریعہ داخل کردہ حلف نامہ جھوٹا تھا؛ بلکہ عوام اور مسلمانوں کو فریب دینے کیلئے حلف نامہ داخل کیا تھا۔ وہ گنبد جو کل تک حی علی الصلاہ کی صدائے دل فریب کا گواہ اور مغلیہ فن تعمیر کا ایک عظیم شاہکار تھا چند عقل وہوش کے یتیم، مکروہ چہروں اور بغض وعداوت سے بھرے ہوئے سینہ والوں کی ٹھوکروں پر تھا، وہ چھت جو کل تک مخلوقات کے صف بہ صف قیام ورکوع کی گواہ تھی اس پر ہزاروں بھگوا اچھل کود رہے تھے اور نعرہ مکروہ لگا رہے تھے ، وہ زمین جو ہمارے سجدوں سے معمور تھی اس کو پامال کیا جارہا تھا اور جہاں ہمارے سجدہ ہائے نیاز مند کے نشانات تھے اس کو اپنی جوتیوں سے ٹھونک رہے تھے وہ اس طرح خوش ہورہے تھے گویا انھوں نے 500 سال کی غلامی سے نجات حاصل کرچکے ہوں۔

بابری مسجد ! تیری شہادت پہ ہمیں ناز ہے کہ تو خود شہید ہوجانا مناسب خیال کیا لیکن یہ نہ مناسب سمجھا کہ ابابیل کے لشکر کو اپنے لیے بلالے ؛ کیونکہ اگر دفعتاً تیرے دشمن ہلاک ہوجاتے تو بھلا وہ کیسے تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جہنم

رسید ہوتے ہاں ہمیں غم اور حزن بایں معنی ہے کہ تیرے فرش تا عرش جنت تھی لیکن کروڑوں روسیاہ، حرماں نصیبوں نے اس کو جہنم زار بنا کر دم لیا، تیری خشتِ نگاراں جو کل جنت کا ایک لازوال حصہ تھی اس کو بتانِ دیر کی نجاستوں سے آلودہ کر دیا گیا اور تیری وہ روح پرور اور بہار آفریں فضا جو نعرہ تکبیر اور حی علی الصلوہ وحی علی الفلاح کے نغمہ پر کیف و مستانہ کی مستیوں اور دلفریبیوں سے مست الست تھی اس کو جے جے کے شور و غل اور ہنگامہ مردن کے زہر ہلاہل سے بے کیف بنا دیا۔ مجھے فخر تو اس پر ہے کہ تو شہید ہو کر بھی عالمِ اسلام کے دلوں میں زندہ و پایندہ ہے، تیری یادیں کبھی دل سے جدا نہیں ہوتیں؛ بلکہ ایک زندہ شاہکارِ اللہ ھو ہے مساجد و مدارس اور خانقاہ نہ تو منہدم ہوتے ہیں اور نہ قدامت کا رنگ ان پر غالب ہوتا ہے؛ بلکہ ان کی یادیں دلِ مغموم کے غم و حزن کو دور کرتی ہیں اور سامانِ سرور مہیا کرتی ہیں۔

بابری مسجد! ظہیر الدین بابر نے تیری تعمیر بطور اظہارِ نعمت اور شکرانہ کے کی تھی اور میر باقی نے اپنی نگرانی میں اس لیے تجھ کو ایرانی فن تعمیر سے آراستہ کیا تھا کہ تو ہزار ہا ہزار سال مسلم حکمرانی کی ایک تاریخ بتاؤ، اندرونِ مسجد اور احاطہ میں اس لیے برسہا برس تک فرزندانِ توحید نے اپنی جبینِ نیاز خم کرتے رہے کہ تو خدا کے حضور گواہ ہو لیکن دشمنِ دین اور تیرے دشمن کو تیرا جاہ و جلال سانپ بن کر سینے پر لوٹتا اور وہ حسد کی آگ میں جلتے رہتے؛ کیونکہ

بزعمِ خویش تیری تعمیر ان کے خود ساختہ خداؤں کے مولدپر ہوئی تھی اروایک ایسی جائے شرک کوہزارفٹ زیرِزمین دبادیاگیاتھاکہ جس سے ''اللہ ھو'' کے بجائے نعرہ مردن کی آوازآتی تھی ہاں ہاں کیوں نہیں میرباقی نے فیض آباد میں سنتِ ابراہیمی کوزندہ کیاتھااوراپنے آبا محمودغزنوی کے کارناموں کو بھی ایک بارپھراسی ہندوستان میں تازہ کردیاتھا۔1857 میں نرموہی جیساکہ اس کاذکرمیں نے قبل میں بھی کیاہے ایک فرقہ کی شکل میں نمودارہواجب اس نے اپنے اہرمن اور لات ومنات کے مولد کیساتھ یہ حشر دیکھاتواسی دن سے کبھی رتھ یاترانکال کر تو کبھی اشتعال انگیز تقریر کرکے تیرے دشمن پیداکرنے لگے اور6دسمبرکاوہ المناک یومِ سیاہ بھی آیاجب کروڑوں کی شکل بھیڑیاصفت انسان اپنی دنیااور عاقبت.برباد کرنے پرآمادہ ہوگئے،تواس کی بھی گواہ ہے کہ جس جس نے تیرے سینہ کو چھلنی کیااور جن جن لوگوں نے کدال چلایاتھاوہ کس عبرتناک انجام کو پہنچے کوئی زمین میں دھنس گیا،کوئی اندھاہوگیا،کوئی لنگڑاہواتوکوئی پاگل ہوکراسی رام بن میں قہقہے لگاتاپھرتاہے۔

بابری مسجد ! توشہید نہیں ہوئی توہمارے دلوں میں ابدتک ایک عظیم شاہکاربن کرزندہ ہے،تیری یادیں دلِ حزیں کوآرام پہنچاتی ہیں توکل بھی زندہ تھی اورآج بھی ظاہری اجسام سے آزادہوکرہمارے دلوں میں مسکن بناچکی ہے توتصورمیں ہے،توخیالوں میں ہے،توباتوں میں ہے،تویادوں میں ہے،توزورِ شمشیر میں ہے

!اور تو میرے ہر نعرہ تکبیر میں ہے

بابری مسجد ! حالیہ لوک سبھا انتخابات ہوئے اور تیرے دشمنوں نے تیری زمین پر رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے نام پر ووٹ مانگا تھا اور عوام ؛بلکہ زموہی افکار کے پیروکاروں نے اسی نام پر ووٹ دیا تھا کہ رام مندر کی تعمیر ہوگی لیکن کیا یہ تمام افسانے سچ ثابت ہوں گے ؟ مودی جیسا ایک ایسا شخص ملک کے اقتدار پر قابض ہوگیا ہے جس پر پہلے ہی قتل وخون اور غارت گری کا داغ لگا ہوا ہے کیا وہ شخص رام مندر کی تعمیر کرلے گا؟اب یہ خوف بھی مضبوط تر ہوتا جارہا ہے کہ دلی میں مودی بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پیچھے متحرک ہیں جب اس کی جیت کی خبر آئی تھی تو پورا ملک بھگوا رنگ میں رنگ گیا تھا ہر طرف خوشی اور جشن کا ماحول تھا اس امید پر کہ اب رام مندر کی تعمیر سے کوئی روک نہیں سکتا عدلیہ میں بھی رجوع کیا گیا مگر وہی یرقان کے یرقانی مریض اور وہی شنکھ کے ایک ہی سوراخ کوئی فائدہ نہ ہوا اگر رام مندر کی تعمیر ہوتی ہے تو کیا اس ملک کا کیا ہوگا اور اس نام نہاد عدالت کا کیا ہوگا۔نہ تو رام مندر کی تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ ہی اب کوئی ایسا شخص پردہ نہاں سے عیاں ہوگا جو رام مندر کی تعمیر کراسکے ؛کیونکہ اس عمل سے براہِ راست نظریات پر نہیں بلکہ مذہب اور شخصیات پر حملہ ہوگا اور کوئی بھی اس کو برداشت نہیں کرسکتا یہ ایک ایسا لاینحل معمہ ہے جو شاید کبھی حل ہو موہن بھاگوت نے اپنے حالیہ بیان میں کہا ہے کہ ”ابھمنی (مودی) سات چکر

کو پار کر رہا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ وہ بہ درجگی تمام پار کرلے گا'' آخر یہ کیا ہے؟ کیا مودی نے بھی 1984 کی طرح خفیہ سازشیں تیار کر رہا ہے؟

دسمبر جب تک میری یہ تحریر اخبارات میں شائع ہوگی۔ آچکی ہوگی اس صورت میں 6 ہمیں کیا کرنا ہے اس ذیل میں اولاً ملک کے استحکام اور اس کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے پر امن طور سے احتجاج کریں اور اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کریں؛ کیونکہ اگر ہم نے آواز بھی بلند نہ کیا تو یاد رکھیں! اس ملک میں ہم مسلسل محروم کیے جاتے رہیں گے اور ہم حاشیہ پر ہی رہ جائیں گے اگر بعض دانش ور احتجاج کو بھی برا کہتے ہوں تو ہم ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیا ہم اس قدر لاغر ہوگئے ہیں اور ہماری ملت اس قدر نحیف ہوچکی ہے کہ آواز بلند کرنا بھی ایک جرم ثابت ہو! یاد رکھیے! ہم بزدلی کی چوڑیاں توڑ چکے ہیں اور یہ عزم مصمم کر چکے ہیں کہ جب تک ہمارے تلف شدہ حقوق نہیں مل جاتے ہم خاموش نہیں رہ سکتے؛ کیونکہ ہندوستان میں اب حقوق کا اتلاف عام ہوتا جارہا ہے۔

مولانا احمد پرتابگڈھی اور ان کا عارفانہ کلام

تسنیم و کوثر کی دھلی ہوئی زبان فلسفہ حیات، مقصدِ عبدیت اور رازِ کن کو آشکارا کرنے والا کلام لوگوں نے بالعموم بہت ہی کم پڑھا اور سنا ہوگا، تصوف کی شیرینی وحلاوت عجب کے بجائے خود سپردگی لذتِ سخن کے آشناؤں نے مولانا روم، حافظ، سعدی اور عطار وغیرہم کے کلام میں پایا ہوگا؛ کیوں کہ ان متذکرہ اشخاص کے کلام کا بنیادی محور ومدار صرف تصوف، عشقِ حقیقی، وارفتگی ہستی ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے عناصر کی شمولیت کا کوئی بھی شائبہ نہیں ہے وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ان کی فہم اور حس ہستی الہ کا ادراک کیے ہوئی تھی اور عشق حقیقی اور مجازی کے درمیان ایک حدِ فاصل بھی مقرر تھی کہ جہاں عشق حقیقی کی سرمستی اور تموج تھا اور یہاں پردہ نہاں میں ہستی کی ہی جلوہ گری تھی اور عارفانہ کلام ان ہی جذبات وکیفیات، شیفتگی دل اور سودائے جاں کا آئینہ ہے۔ زبان وادب میں اگر تصوف کا شمول نہ ہو تو یقینا وہ محض قافیہ کی پابندی اور اپنے فطری ساز وسوز سے عاری ہے، شاعری میں روح اور جان اسی وقت آسکتی ہے جب یہ عناصر اپنی مکمل تابانی کیساتھ موجزن ہوں اور جو الفاظ منھ سے نکلے وہ اثر وتاثیر کی ایک شی عجیب ہوں یہی تصوف اور عارفانہ کلام کا مقتضا ہے اور اسی کا مطالبہ صوفیانہ شاعری کرتی ہے۔

حضرت پرتا بگڈھی کا عارفانہ کلام ، سخنوران فن، لذتِ سخن کے آشناؤں اور دلدادہ عشق ہستی نیز فہم وادراک کے شعور ومزاج کے شناساؤں کیلئے وہی سوز وہی ساز وہی کیفیات دل وہی واردات جگر وہی سودائے جاں اور وہی نشہ سرشاری فراہم کرتا ہے جس کی طلب ایک سلیم العقل اور صالح مزاج کا حامل شخص کر سکتا ہے ، ماہرینِ لسانیات ، تصوف اور رمز نگارِ وحدت کے واقف کاروں نیز عوام کی ایک معتدبہ جماعت نے حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے کلامِ عارفانہ میں باطنی کیفیات، صدائے ہستی رسا، سوزشِ جگر، حق آگاہی اور عرفان وادراک کو تسلیم کیا اور عصر حاضر میں مولانا احمد پرتا بگڈھی کے عارفانہ کلام کو ترجمانِ حق اور پیغامبر احسان ومعرفت کا ایک جامِ لبالب بھی کہا کہ جس جام میں نشہ عشق مولی ، سکون وطمانینت اور حق شناسی ہے اور یہ تسلیم شدہ ہے کہ جو دل آتشِ شوقِ وحدت اور سودائے جاناں میں سوختہ ہو اس دل سے نکلنے والے الفاظ اپنی تاثیر کا ایک عالمِ نو آباد رکھتے ہیں اور ہم جس عالمِ نو کی آبادی کی بات کر رہے ہیں وہ مولانا کے کلام میں بدرجہ اتم جابجا ملتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر قدم میں ایک کائناتِ عشق اور رمزیتِ الہ پنہاں ہے۔ حضرت مولانا نے مرزا غالب کے ایک شعر کی یوں ترمیم کی اور اسی شق کو نمایاں کیا

عشق کی شان نرالی ہے انوکھی احمد
کہ لگائے سے لگے اور بجھائے نہ بجھے
اصل شعر یوں تھا ۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

اس مذکورہ شعر میں غالب عشق کی افتاد اور کلفتوں کا شکوہ کر رہا ہے کہ آتشِ عشق از خود رفتہ ہو گئی ہے اولاً وہ بھڑک ہی نہیں رہی تھی اب بھڑک اٹھی ہے تو اس کو سرد کرنا ہمارے اختیار و قبضہ میں نہیں ہے نیز وہ اسی آتشِ عشق کے متعلق وضاحت کر رہا ہے کہ آتشِ عشق بڑی مشکل اور جاں سوزی کے بعد ہی بھڑکتی ہے اور تادمِ واپسیں جوان ہی رہتی ہے، یہ تو ایک مجنوں صفت اور رندانہ کیفیت کے حامل شاعر کا نظریہ تھا حضرت اقدس نے شکوہ عشق نہیں کیا؛ بلکہ عشق کو اثاثہ زیست، دوائے سوختہ دل اور مآلِ زندگی کہا اور اس کی مدح بھی کی کہ عشق کی شان سب سے جدا اور تمام محسوسات و مدرکات سے ماوراء ہے۔ یہ حیات کو شعورِ جاوداں عطا کرتا ہے، آتشِ عشق کا لگانا مشکلوں اور دقتوں سے نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ آتشِ عشق لگانے کیلئے صرف تصورِ ہستی اور ذکرِ محبوب ہے یہی وہ شی ہے جس سے آتشِ عشق لگتی ہے اور ہمیشہ جوان رہتی ہے۔ غالب نے شکوہ عشق شراب و صہبا کے جوش اور اپنی تخیل آفرینی کے جنون میں کہا تھا لیکن مولاناؒ نے مدح عشق و قار و سکینت اور شرابِ وحدت کے نشہ عقل و فکر رسا میں کیا اور کہا کہ عشق کی آتش لگانا کارِ مشکل نہیں؛ بلکہ کارِ آسان ہے، غالب کے یہاں شراب و صہبا اور جامِ ارغوانی کی تندی تھی جو شکوہ عشق کیا، لیکن یہاں شرابِ طہور کی سکینت اور وقار موجزن ہے جو مدح

عشق کیا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ غالب کے یہاں عشقِ مجازی تھا اور یہاں جاوداں عشقِ حقیقی کی کارفرمائی اور اس کی سرشاری ہے، گویا حضرت کے عارفانہ کلام میں رمزیتِ الٰہ اور کائناتِ عشق کا قیام جا بجا ملتا ہے اور یہی مولاناؒ کے عارفانہ کلام کا امتیاز و تفوق ہے۔

اردو زبان و ادب خواہ اپنے اعزاز اور افتخار پر نازاں ہو مگر یہ تلخ حقیقت ہے کہ جب تک عشق کی سرمستی، جنون اور سودا کے ساتھ ساتھ موجِ صہبا، جامِ جم، میخانہ رنداں اور حصارِ زنداں کا ذکر نہ ہو تو شاعری اور اس کے لوازمات بے اثر اور ناپسندیدہ ہے؛ بلکہ یہ ایسے لوازمات ہیں جن سے اردو دنیا خود کو الگ نہیں کر سکتی اگر ناگہاں ان سے خود کو الگ بھی کر دے تو تنِ عریاں کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا؛ کیوں کہ اردو تغزل اور اس کے کیف و کم میں شراب کا جوش اور اس کی حدت اور اس کی تہہ میں معشوقِ مجازی کی جلوہ گری ہے، حیف کہ اسی سرمایہ ننگ پر اردو ادب کو ناز و افتخار بھی ہے۔ غالب، میر، جگر، فانی، نشتر، آرزو اور ان جیسے دیگر شعراء کے کلام کا تجزیہ کر لیجئے بداہتاً کلام کی گرمی اور تندی کی وجہ معلوم ہو جائے گی کہ غزل میں تابانی کس بنیاد پر ہے غالب اس ذیل میں سرفہرست ہے کہ جام و مینا سے ازلی رشتہ تھا، لیکن صوفیاء کے کلام کی تہہ میں چھپے عنصر کا راز مولاناؒ کی اس پر کیف و بہار آفریں غزل میں ڈھونڈیئے کہ اس کی سطح میں کون سا عنصر پوشیدہ ہے۔

جلا کر خاک کردے غیر کی الفت مرے دل سے
پلادے مرے ساقی وہ شرابِ آتشیں مجھ کو
ملیں وہ نعمتیں مجھ کو، تیری ادنی توجہ سے
تکلف.بر طرف کہتا ہوں، خود صد آفریں مجھ کو
میں خود ہی مست ہو کر رقص کرتا جھومتا ہر دم
ملا ہوتا مقدر سے اگر سازِ یقیں مجھ کو
مجھے کچھ اس طرح اپنا بنالے اے مرے مولا
فرشتے وجد میں آ کر کہیں جنت نشیں مجھ کو
سرورِ غیر فانی، دارِ فانی میں ہوا حاصل
مقدر سے ملی ہے جب سے دردِ تہہ نشیں مجھ کو
میں اس قابل نہ تھا لیکن کرم ہے میرے مولا کا
پلاتے ہیں مئے توحید اب روح الامیں مجھ کو

مولانا کی غزل کے چند اشعار میں سوزشِ دل، نشہ جام، شرابِ آتشیں کی خاکستری دیکھ لیجئے یہاں کون سا عنصر ہے جس نے شوقِ فراواں، مستی و بیخودی، جنون اور خلش پیدا کیا ہے؟ تصورِ نگارِ ہستی کی معجز نما جلوہ گری ہے، شرابِ وحدت کی میکشی کی تندی اور محویت ہے جس کے باعث علی الاعلان اپنے ساقی ازل سے کہہ رہے ہیں کہ میرے ساقیا..... ! ایسی شرابِ آتشیں پلادے کہ میرے دل سے غیرِ ہستی کی الفت یک

قلم سوختہ جاں اور فنا ہو جائے کہ بس تیری ہی الفت اور اسی کی جلوہ گری کی سرشاری میں مست رہوں۔ مولانا کے اس شعر میں تھوڑی توجہ دیں ایک تمنائے دل، شوقِ جاوداں اور آرزوئے وصال کی کائناتِ لازوال کا ادراک ہوگا شعر ہے ۔

میں خود ہی مست ہو کر رقص کرتا جھومتا ہر دم
مقدر سے ملا ہوتا اگر سازِ یقیں مجھ کو

دیکھ لیجئے ..... ! مست ہو کر رقص کرنا اور وجد کا طاری ہونا ایک ایسے محرک کے باعث ہوتا ہے کہ جہاں تصورِ ہستی کے بجائے ہستی کی تصویر سامنے آ جائے اور جو نگارِ ہستی تصوراتی عالم میں تھا وہ تصویر کے آئینے میں روبرو ہوا اور اپنے عاشقِ زار کو آواز دے کر کہے کہ میری تلاش میں کوبہ کو سرگرداں ہونے والو.. ! آؤ ذرا اس تصور کو دیکھ لو جسے ہر دم اپنے شیشہ دل میں بسا کر رکھتے تھے آج وہ تمہارے روبرو ہے ، یہی آرزو ایک عاشقِ صادق کی ہو سکتی ہے اور دیدارِ یار ہی اس رندانہ زندگی کا ماحصل اور مقصود ہے اسی صدائے سروش کو مولانا نے ''سازِ یقیں'' سے تشبیہ دیا ہے کہ اگر ''سازِ یقیں'' کی سماعت مجھے میسر ہوتی تو رقص و وجد کا ایک جہاں آباد ہوتا، لیکن یہ ابھی حاصل نہیں ہے اور اس کا حاصل نہ ہونا بھی شوق اور تڑپ میں اضافہ کی وجہ ہے؛ کیوں کہ اگر دیدِ یار ہو جائے تو مبادا کہیں وہ آتشِ شوق اور طلبِ یار جو ایک آتشیں عنصر کی شکل میں دل میں پنہاں ہے وہ وصل کی کامرانیوں سے محظوظ ہو کر سرد نہ پڑ جائے اور پھر منصور و سرمد جیسی کیفیات یہاں

مقصود بھی نہیں ہیں؛ بلکہ یہاں تو آتشِ شوق کی بیقراری کے باوجود وقار و سکینت اور حلم مقصود ہے اور یہی تصوف اور اس کے اسرار و غموض نیز نکاتِ دل ہائے جاں بلب کا تقاضا ہے اور اسی کا شریعت بھی تقاضا کرتی ہے؛ کیونکہ 'انا الحق' کا نعرہ محبوب نہیں ہے؛ بلکہ انا العبد کا غلغلہ ہائے شوق اور نعرہ ہائے مستانہ مقصود ہے۔ مولاناؒ کے کلام میں یہی مقصود'' اور مطمحِ نظر ملتا ہے اور ہر جگہ ''انا الحق'' کا نعرہ مستانہ ہی گونج رہا'' ہے۔ شوق، وارفتگی اور سوختگی دل کی ایک تصویرِ زیبا نیز الفت کے لامتناہی سلسلہ کو بھی دیکھیں ۔

ساقی نے جسے جامِ محبت سے نوازا
دل اس کا ہے دل، اور نظر اس کی نظر ہے
ہم خوف سے لرزاں ہیں اور امید سے رقصاں
قرباں ! یہ سب ان کی محبت کا اثر ہے
فیضانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت
اب میں ہوں، تری یاد ہے اور دیدہ تر ہے
میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
مجھ کو دکھا ان کی طرح کوئی اگر ہے
احمد کو ملے کیوں نہ غمِ عشق کی دولت
قسمت سے وہ محبوب کا منظورِ نظر ہے

دیکھ لیا.....! یہ صدائیں، کیفیتِ امید وبیم، ساقی کے مے نوازی، فیضانِ محبت، یادِ جاناں اور دیدہ تر کا اعلان اور اس کو اپنا اثاثہ زیست قرار دینا کوئی ادنی اور معمولی بات نہیں ہے؛ بلکہ بڑے حوصلہ اور تحت الشعور کا فیصلہ ہے اگر عشقِ حقیقی کا تموج اور سرمستی نہ ہو تو بالیقین یہ عناصر ایک ذات میں ہر گز پیدا نہیں ہو سکتے تھے اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خوف سے 'لرزاں' اور 'امید سے رقصاں' ہوا جائے اور پھر مزید طرہ یہ کہ اپنی اس خوش نصیبی پر ناز بھی ہے کہ ''غم عشق'' کی دولت بھی ملی ہے اور ''محبوب کا منظورِ نظر'' بھی ہے، واقعتا یہ عشقِ حقیقی کی ہی کرشمہ سازی ہے کہ صداؤں کی شورش بپا ہے، خوف سے لرزش بھی ہے تو امیدِ کرم سے قدموں میں اہتزاز پیدا ہو رہا ہے اور رقص کی تمنائیں جواں ہو رہی ہیں آخر یہ کیوں؟ کون سا عنصر کارفرما ہے؟ وجہ کیا ہے؟ خود عاشقِ زار اپنی اس قابلِ رشک حالت کی وجہ بیان کر رہا ہے کہ ع

قرباں! یہ سب ان کی محبت کا اثر ہے

اردو زبان وادب میں بالعموم عجب وتکبر، خود مختاری ہوا کرتی ہے اور اس کا برملا اظہار بھی ہوا کرتا ہے لیکن صوفیانہ کلام میں یہ چیزیں سرے سے ہوتی ہی نہیں ہیں؛ قرآنی آیات اور احادیث کے مضامین کی عاشقانہ تشریح، خود سپردگی، انابت اور قلّت میں مسرت کا شائبہ ہوا کرتا ہے، مولاناؒ نے اسی خود سپردگی کا اپنے الفاظ میں یوں دلکش نقشہ کھینچا ہے۔

یہ دل کی آواز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
کچھ ہونا مرا ذلت و خواری کا سبب ہے
یہ ہے مرا اعزاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
آئے گا نہ سمجھ کسی اہل خرد کی
یہ عشق کا ہے راز، کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

یہ دراصل حدیثِ پاک من تواضع للہ رفعہ اللہ کے مضامین کی تشریح ہے گویا یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ تواضع وانکساری اعزاز کی بات ہے اور صوفیا اور عارفین کے یہاں یہی شی مطلوب ہے نیز سالکین کو اسی تواضع کی تعلیم بھی دی جاتی ہے کہ جب تک دل میں تواضع پیدا نہ ہوگا عنداللہ مقبولیت بھی نہیں ہوگی یعنی راہِ سلوک میں اولاً عجب و تکبر اور بغض و عناد جیسے مہلک امراض کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے اسی تواضع کو اپنے لئے اعزاز تصور کیا ہے اور یہ باتیں صرف ایک عارف اور حق آگاہ شخص ہی کہہ سکتا ہے؛ کیوں کہ ان کی نگاہیں ان اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہوتی ہیں کہ جہاں ایک عام شخص کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی، مولانا نے اس کے ذریعہ زبان وادب کے سرمایہ میں ایک بیش قیمت اور لازوال شی کا حسین اضافہ بھی کیا ہے۔ مولانا کے کلام کا دیوان طبع ہو چکا ہے اہلِ ذوق اور اربابِ فہم اس سے محظوظ بھی ہو رہے ہیں یقیناً جب وہ کلام کی گیرائی اور گہرائی تک پہنچتے ہوں

گے اور تصوف کی حلاوت وشیرینی اور سوختگی دل نیز تصورِ ہستی کی کیفیات اور سوزشِ
قلب وجگر دیکھتے ہوں گے تو بے ساختہ ان کی زبان سے یہ شعر جاری ہو جاتا ہوگا
فرماتے ہیں یہ اہلِ محبت، ہو مبارک
احمد ترا دیوان ہے، عرفانِ محبت

خانہ جنگی کا عندیہ تو نہیں؟

ملک میں سنگینی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جب کہ ایک جمہوری ملک میں فرقہ وارانہ سنگینی زہر ہلاہل کے مترادف ہے اس سے جمہوریت کے تانے بانے اور جمہوری عناصر کمزور ہوں گے، 16 مئی سنہ 2014 کا دن ایک عام ہندوستانی کیلئے باعث مسرت نہیں کہا جا سکتا اسی دن سے رتیں بدل گئیں، موسم بدل گئے معتدل فکر و مزاج کے افراد حوصلہ شکنی کے شکار ہوئے تو فرقہ پرست کے حوصلے قلانچے بھرنے لگے، جسے گفتگو کا سلیقہ نہ تھا افہام و تفہیم پر بھی قادر نہ تھے وہ بھی اپنی ناکام زبان دانی کا مظاہرہ کرنے لگے اور چیخنے لگے حتی کہ "لصوت الحمیر" کی عملی تفسیر بن گئے اگر چیخ و پکار تک ہی محدود رہتے تو قدرے غنیمت تھی اس سے دو قدم آگے بڑھ کر اشتعال انگیزی کو اپنا وطیرہ سمجھ لیا گیا کبھی ھم اشتعال انگیزی میں اوما بھارتی، ایڈوانی جیسے لوگوں کا نام سنا کرتے تھے، لیکن اب تو ان ریٹائرڈ فائر برانڈ کی جگہ "ینگ فائر برانڈ" نے لے لی یہ یوگی آدتیہ ناتھ، ساکشی مہاراج، نرنجن جیوتی، سادھوی پراچی اور رام شنکر کٹھیریا جیسے دوئم سوئم درجے کے لیڈران بھی آدھمکے جب کہ ضرورت تو یہ تھی کہ وہ جمہوریت، بقائے باھمی اور مساوات کی فضا سازی کرتے، لیکن ایک خاص مشن کے تحت اشتعال کو اپنا لازمہ خیال کیا گیا جو سراسر جمہوریت کے منافی ہے؛ بلکہ بلفظ دیگر یوں

کہہ لیں کہ ان کے ہم خیال افراد، لیڈران بشمول حکومت کے نزدیک جمہوریت اور لوک تنتر " اہم نہیں؛ بلکہ آر ایس ایس کے افکار زیادہ ہی اہمیت رکھتے ہیں "

جے این یو تنازعہ ملک کی تمام یونیورسٹی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا منفرد تنازع ہے جہاں ایک نہتے اور بے بس طالب علم کنہا کمار کی آواز کو بھرپور طریقے سے دبانے اور اس کے نعروں اور بیانات کو غدارِ وطن کے زمرے میں ڈال دینے کی حکومتی قوت کا بھی استعمال کر دیا گیا کنہیا کمار (مجھے اس کے سیاسی نظریات سے سروکار نہیں) نے جس طرح سے بھوک، پسماندگی، جہالت، فرقہ پرستی اور ناخواندگی سے اعلان جنگ کیا ہے وہ قابل ستایش ہے اور یہی سوچ ایک سچے ہندوستانی کی بھی ہونی چاہیے، کنہا کمار نے تو بھوک، فرقہ پرستی، منووادی اور ملک میں بڑھتی ہوئی عدم تحمل کی روایت سے آزادی مانگی تھی جو کہ ہر ایک ھندوستانی کا حق ہے، لیکن ذرائع ابلاغ کے کارندوں نے ان عناصر کی صورتِ تشتت کو یک تصویرِ عریاں میں تخلیق کرکے غدارِ وطن کہہ دینے میں حجاب محسوس نہ کیا، جب دوسرے لیڈران نے اس مسئلہ کو حل کرانیاور بھگوا نوازی کی مخالفت کی اور باہمی مفاہمت نیز عدلیہ کے توسط سے تصفیہ کی گذارش کی تو بلاتردد انہیں بھی غدار کہہ دیا گیا، خالد عمر اور انربان جیسے بے گناہ کے اہل خانہ کو سرعام دھمکیاں دی جانے لگیں ماں اور بہنوں کو بے حرمت کرنے کی

بھی دھمکی ملی آخر وہ کون لوگ ہیں جو احاطۂ عدالت میں ملزم پر جان لیوا حملہ کر رہے ہیں یہ کس کے کارندے ہیں؟ کس کے ایماء پر عدالت کے وقار کو مجروح کر رہے ہیں؟ صحافت کو جمہوریت کا چوتھا ستون کہتے ہیں وہ کس کے اشارے پر کام کر رہی ہے؟ کون ہے جو ویڈیو کو فوٹو شاپ کے ذریعہ مکروہ جزو شامل کر رہا ہے؟ آخر کوئی معشوق تو ہے پردۂ زنگاری میں ! ایک وزیر سر عام مسلمانوں کو مارنے کاٹنے اور جلا دینے کی بات کر رہا ہے، اس کے شواہد و دلائل موجود ہیں، لیکن وزارت داخلہ عامیانہ صفائی کیساتھ کہتی ہے کہ "ایسا کچھ بھی نہیں کہا گیا" وہیں دوسری ویڈیو موجود ہے جس میں ایک نمائندہ سوال کرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں کہہ رہے ہیں تو جواباً سخن سرا ہے کہ "مسلمان بھی سر عام ہماری دیوی ماتاؤں کو گالیاں دیتے ہیں" جناب وزیر بے تدبیر کا الزام اسی وقت درست ھوتا جب اپنے موقف کی تبیین کیلئے دلائل و براہین بھی پیش کرتے، لیکن نہ تو دلائل ہیں اور نہ ہی آزاد بھارت کی ایسی کوئی تاریخ ہے کہ مسلمانوں نے دیوی دیوتاؤں کو برا بھلا کہا ہو دراصل یوپی میں آئندہ سال اسمبلی الیکشن ہے اور ابھی سے ہی اس کی تیاری زور پکڑ رہی ہے جس کا آغاز کٹھیریا نے کر دیا ہے ذرا حقائق کا مطالعہ تو کریں گجرات کا عالمگیر سانحہ پیش آیا لیکن انتقام کیلئے زبان بھی نہ کھولی بھاگلپور، مؤ، ہاشم پورہ، مرادآباد، مظفر نگر جیسے مقامات پر مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی گئی اس وقت کسی مسلم رہنما نے قتل و خون کی بات کی یا پھر عدالت کا دروازہ

کھٹکھٹایا؟ اگر کٹھیریا کو ایک سنگھی کے قتل پر اس قدر ملال ہے تو ہریانہ کے پر تشدد تحریک کے نتیجے میں بیس سے زائد عام ہندوؤں کے بہیمانہ قتل پر رگِ حمیت کیوں نہیں گرم ہوتی ہے؟ کئی خواتین کی اجتماعی عصمت دری کی گئی، لیکن مجرم گرفت سے باہر ہیں کیا کٹھیریا نے اس پر بھی سوال اٹھایا ہے کہ جاٹ تحریک میں مہلوکین کو معاوضہ دیا گیا یا نہیں جس کے املاک نذر آتش کر دیے گئے اس کے معاوضہ کی کیا شکل ہوگی ایک کاریہ کرتا " کی موت تو یاد رہی لیکن بیس سے زائد بے حرمت ماؤوں اور بہنوں کی چیخ " ان کے جگر کو مغموم نہ کر سکی ! مرکزی حکومت کس فریب میں ہے کہ ان کے وزراء آئے دن اشتعال انگیزی کر رہے ہیں اور کاروائی اور انتباہ کے بجائے پراسرار طریقے سے پہلو بدل لیتی ہے، ان پر نکیل کسنے کی سکت نہ ہو تو " بھارتیتہ اور لوک تنتر " کیلئے اپنی نا اہلی ظاہر کرکے اقتدار سے دستبردار ہو جانا چاہیے

وزیر داخلہ راج ناتھ سنگھ ایک بھاجپائی ہونے کے باوجود سنجیدہ اور متین فکر کے سمجھے جاتے ہیں، انھیں ایک ذمہ دار لیڈر بھی شمار کیا جاتا ہے، لیکن وہ بھی اس موقعہ پر فریب خوردگی کے شکار ہوئے کہ اپنی مثبت شبیہ کے مخالف ہو گئے جب کہ آگرہ کے سوگ سمیلن میں کٹھیریا نے کیا کہا سبھی جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ان تک سوشل میڈیا کے توسط سے ویڈیو اور تصاویر پہنچ چکی ہے جب ملک کا صحافتی طبقہ، اخبارات مالکان اور صحافی بھارتی سماج کا رخ موڑ

سکتے ہیں، جب میڈیا کے الزامات کے تحت کنھیا کمار کو جیل جانا پڑ سکتا ہے تو بھلا کیا وجہ ہے کہ انڈین ایکسپریس کی اشاعت کو معتبر نہیں سمجھا جا سکتا ہے؟ پھر مبینہ ویڈیو دیکھ کر بھی وزیر داخلہ اشتعال انگیزی کو کلین چٹ دے رہے ہیں کہ کٹھیریا نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا ہے آخر یہ کس طرح ثابت ہوگا کہ کٹھیریا نے خاص طبقے کو مشتعل کرنے کا کام کیا ہے یا پھر وزیر داخلہ جیسے عالی دماغ کے نزدیک اشتعال انگیزی کا پیمانہ اور معیار کچھ اور ہی ہے؟ آخر کسے اشتعال انگیزی کہتے ہیں موجودہ مرکزی حکومت ہمیں اشتعال انگیزی کی تعریف بتادے تو سوا کروڑ مسلمانوں کے علم میں اس اصطلاح کے بھگوا مفہوم کا اضافہ ہوگا کیا اس معاملہ کو غیر حساس قرار دے کر وزارت داخلہ خانہ جنگی کی چنگاری اور فرقہ واریت کی آگ ملک کے طول و عرض میں لگانا چاہتی ہے، لیکن یہ وزارت کی خوش فہمی ہوگی کہ مسلمان جذبات سے مغلوب ہیں اور ایسا قدم اٹھالے کہ جس کا سراسر فائدہ انھیں پانچ ریاستوں میں ہونے والے انتخابات میں ہو وہ وقت گذر چکا ہے اب تو ہوشمندی اور متانت آچکی ہے جس کا مظاہرہ بہار الیکشن کے موقعہ پر دیکھ لیا گیا ہے اشتعال انگیزی اور نفرت آمیز بیانات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا ہے، جسے بیان کرنا ضیاع وقت ہی ہے کوئی سرعام کسی کو گولی مار دینے کی بات کہہ رہا ہے تو کوئی خون کردینے کا اعلان کر رہا ہے کنہیا کمار کو بھاجپا یوا مورچہ کے

لیڈر کلدیپ وار شنے زبان کاٹ لینے کی دھمکی دے رہے ہیں تو ایک دوسری تنظیم کی طرف سے اعلان کیا جا رہا ہے کہ کنھیا کو گولی مارنے والے کو 11 لاکھ انعام میں دیا جائے گا زبان کاٹ لینے والے کو اور 11 لاکھ روپے انعام دینے والے کو کب گرفتار کیا جائے گا یہ جواب طلب امر ہے نفرت، ذہنی تشدد، فکری آمریت کیساتھ دماغی درشتی بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے ملک کا سیکولر ڈھانچہ جو اس کی پہچان ہے وہ زمین بوس ہو رہا ہے، لیکن مرکزی حکومت اس خوش فہمی میں غلطاں ہے کہ ملک میں سالمیت اور فکری اطمینان ہے یہ تصویر کا کربناک پہلو ہے کہ دن بدن گھبراہٹ، عدم اطمینان بڑھتی چلی جا رہی ہے یہ سچ ہے کہ آر ایس ایس کے ناتھورام گوڈسے نے گاندھی جی کا قتل کیا تھا اور اسی آر ایس ایس کا سیاسی دھڑا برسرِ اقتدار ہے۔افکار کی نمود بیشک ہوگی، لیکن یہ خیال رکھنا ہوگا کہ وہ ایک عظیم جمہوریت کے پاسبان ہیں اپنی ذمہ داری کو متانت اور وقار کے ساتھ نبھانے کی ضرورت ہے تاکہ جمہوریت کی جو تصویرِ زیبا اور اس جمہوریت کے مثبت قصے مشہورِ عالم ہیں وہ مجروح نہ ہوں جے این یو تنازعہ ہو یا آئے دن اشتعال انگیزی یا خواہ جو بھی ملک مخالف سرگرمیاں ہوں ان سے پورے عالم میں بھارت کے تئیں مثبت پیغامات نہیں مل رہے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ بھارت کی سالمیت اور اتحاد کو بچائے رکھیں ورنہ وہ دن دور نہیں جب 1947 جیسی ہولناک خون ریزی پھر اس ہندوستان کی مٹی کو سرخ کردے گی اگر یہ سوال ایوان میں کیا جائے کہ آیا آر ایس ایس چاہتی

ہے کہ خانہ جنگی ہو؟۔ تو جواباً وزیر اعظم، وزیر داخلہ ممبر پارلیمنٹ بشمول موہن بھاگوت جیسے افراد بھی اس کی اجازت نہ دیں گے تو بھلا کیا وجہ ہے کہ آئے دن اشتعال انگیزی اور جو سچ کا علمبردار ہے اسے "غدار" کہہ کر مطعون کیا جاتا ہے ملک کو افراتفری سے بچایا جائے ورنہ تاریخ کی سیاہی اس ملک کا انتظار کر رہی ہے

وجے مالیا: سایۂ ہما میں ادائے خسروانہ

جس شخص پر ہزاروں کروڑ روپے کا قرض تھا وہ خفیہ ایجنسی، حکمراں جماعت اور ملک کے وزیر اعظم کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے ملک چھوڑ کر فرار ہوگیا یہ معجزہ اور خرق عادت مسئلہ ملکی سطح کا نایاب واقعہ ہے اور ہو بھی کیسے نہیں کہ جہاں ان کارپوریٹ طبقہ کی مکمل رعایت کی جاتی ہو گذشتہ دو سالوں سے ڈیفالٹر قرار دیے جانے والے کو کیسے موقع ملا کہ وہ چمپت ہوگیا یقیناً یہ سوال ہر ایک ہندوستانی کے دماغ میں گونج رہا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس ضمن میں ہمیں درج ذیل نکات پر غور کرنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ یہی امور کارفرما تھے کہ جس کے باعث مالیا کیلئے فرار کی راہیں آسان تر ہو گئیں (1) وزارت داخلہ کی عنایات اور لغو کارِ تعشق (2) آر بی آئی گورنر رگھو رام راجن نے ان کی 60 ویں یوم پیدائش پر ہونے والے کثیر اخراجات کے متعلق کہا تھا کہ ایک ڈیفالٹر شخص کو اتنی دولت خرچ نہیں کرنا چاہیے، اشاروں ہی اشاروں میں کہہ تو دیا لیکن اس پر مضبوط نکیل ڈالنے میں قاصر رہے (3) کچھ روز قبل ایک دوسری کمپنی سے 515 کروڑ سے ڈیل کے موقعہ پر وجے مالیا نے یہ کہا تھا اب مزید وقت لندن میں گذارنا چاہتا ہے تاکہ اپنے اہل و عیال کے درمیان رہ سکے تو بھلا کیوں نہیں حکومت متحرک ہوئی؟ (4) اٹارنی جنرل موکل روہتگی نے سپریم کورٹ میں بتایا

کہ وجے مالیا ملک میں نہیں ہیں تو اس کا جواب اس کے پاس کیوں نہیں ہے کہ وہ کہاں گئے جبکہ حکومت کو یہ بھی اطلاع تھی کہ وجے مالیا اب لندن منتقلی کا پروگرام بنا رہے ہیں ان مذکورہ بالا شقوں کے تحت تفکرات کے نتائج جسے ملزم قرار دے رہے ہیں اسے سبھی جانتے ہیں کہ کون ہے بنکوں سے قرض کے متعلق ماہرین بتاتے ہیں کہ مفاد پرستانہ عزائم کے تحت انھیں گرفتار نہیں کیا جاسکا جب کہ مرکزی حکومت اور ایجنسیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ انھیں فرار سے روکا جائے، لیکن ایسا نہ ہوسکا

ہندوستان جسے ہم طوعا و کرہا ایک جمہوری ملک کہتے ہیں یہاں کی ہورہا ہے یہ لمحہ فکریہ ہے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی، بے گناہوں کی بیجا گرفتاریاں، کسان کے زخموں پر نمک پاشی اور ان کی فریب خوردگی کا تناسب بڑھتا ہی جارہا ہے جو کسی بھی طرح سے جمہوری آئین کے موافق نہیں ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حکمراں طبقہ اپنے فرائض منصبی سے آنکھیں موند لے، تاجروں کو مکمل مراعات و تحفظ کرے، غریبوں کی گاڑھی کمائی ورلڈ چمپئن تاجروں کو دے اور وہ قرض لیکر فرار ہوجائے، کسان جہاں غربت اور قرض سے تنگ ہوکر خودکشی کرلے اور ان کا قرض بھی معاف نہ کیا جائے تو بھلا اس ملک کے خوفناک مستقبل کی یہی تصویر ہوسکتی ہے کہ کارپوریٹ طبقہ رقص و سرود کی محفل آرائی اور عیش کرے اور بیچارہ کسان سسک سسک اپنی زندگی ہلاکت کی نذر کردے، ستم تو یہ ہے کہ

بھاجپا کے پیش کردہ دونوں عام بجٹ سے یہی مترشح ھوا کہ کسانوں کیلئے کچھ بھی نہیں ہے جبکہ تمام رعایتیں کارپوریٹ طبقہ کے لئے مختص ہیں !

عام بجٹ 2016 میں وزیر خزانہ نے بجٹ پیش کرتے ہوئے اعلان کیا کہ 2022 میں ہر کسان کی آمدنی دوگنی ہوجائے گی بھلا یہ تو طے ہو کہ کسان ماہانہ کماتا کتنا ہے؟ بینکوں سے قرض لیکر کاشت کاری کی پھر اس عفریت کو کو کتنی رقم واپس کی حالیہ ایک سروے میں جس الم انگیز امر کا خلاصہ ہوا وہ یہ کہ ایک کسان ماہانہ 1663 روپے ہی کماتا ہے اب اس کی جمع تفریق کریں تو سالانہ صرف 20.000 ہی ہوتے ہیں تو اس سے ظاہر یہ ہوا کہ وہ چالیس ہزار سالانہ کمائیں گے اب کسان ہی بتلائیں گے کہ وہ محض بیس ہزار میں سال بھر کس طرح گزربسر کرلیتے ہیں یا پھر بینکوں سے قرض لینا پڑتا ہے یقینا قرض لینا ہی پڑتا ہوگا اور پھر جب قرض کی ادائیگی مع شرح سود کے ہوتی ہے تو ان کے پاس کیا بچ جاتا ہے ہمیں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا ہوگا اور لازماً دوسرے ساہوکاروں سے مزید قرض لیتے ہونگے نتیجتاً قرض اور اس کی ادائیگی کی عدم صورت کے باعث ذہنی تناؤ میں آ کر ایک بڑی تعداد موت کو گلے سے لگالیتی ہے؛ کیونکہ وجے مالیا جیسے تاجر تو ہیں نہیں کہ مراعات کیساتھ سرکاری تحفظات بھی فراہم ہوں نیز یہ بھی نہیں ہے کہ بیرون ملک جائیداد ہے جہاں منتقل ہوجایا جائے مجبوراًاس صورت میں موت کو گلے لگانا ہی سودمند ثابت ہوتا ہے آیئے اس سروے کو بھی دیکھیں صرف 2014 میں 5642 کسانوں کی

خود کشی کی مہاراشٹر میں 2001 تا 2015 تک 20.504 کسانوں نے خود کشی کی، مہاراشٹر کے مراٹھواڑہ میں ہی 2015 میں 1100 کسانوں نے خود کشی کی نیز اسی سال جنوری میں 140 کسانوں نے خود کشی کی عموماً اس کی وجوہ قرض کی عدم ادائیگی ہے یہ اعداد و شمار کسی ٹیسٹ کرکٹ میچ میں اسکور کیے رن کی نہیں ہے؛ بلکہ کسانوں کی خود کشی کا تناسب اور فیصدی ہے جو ایک ملک کے لیے نہایت ہی تباہ کن اور حوصلہ شکن ہے اس کے علاوہ دیگر ریاستوں میں بھی کسانوں کی خود کشی کا تناسب بڑھا ہوا ہے

الغرض ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ کہنا آسان ہے کہ موجودہ سرکار کی پالیسیاں کسان کے مخالف ہیں آخر جب کسان اتنی قابل رحم صورتحال میں ہونگے تو بھلا اشیاء خوردنی کی قحط سالی نہ ہوگی؟ جس نے ایفائے عہد کا وعدہ کیا وہ فریب، دھوکہ اور دجل ثابت ہوا اور یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ کیا کبھی "جملہ" بھی درست ہوا ہے؟ یقیناً ان ہی امور کی کارستانی اور ارتعاشِ وجود ہے کہ تاجر برادری خوشحال ہے اس کے بچے اور اہل خانہ خوش و خرم گذران زندگی کر رہے ہیں اور جو ملک کو دو وقت کی روٹی فراہم کرتا ہے سیاسی شعبدے، عدم توجہ، بوالہوسی اور مفاد پرستانہ عزائم کی وجہ سے جاں بلب ہے ان کے اہل خانہ محنت کے باوجود حق المحنت سے محروم ہیں مزید طرہ یہ کہ جتنی بھی مراعات اور پالیسیاں ہیں بداہۃً کسان مخالف ہی ہیں اور پھر ستم یہ کہ انھیں یہ کہہ کر فریب میں ڈالا جا رہا ہے کہ 2022 میں ان کی دوگنی آمدنی ہوجائے گی دوگنی آمدنی کیلئے آئندہ چھ سال کا انتظار کریں

ایک کسان 1632 ماہانہ کماتا ہے تو آئندہ چھ برس میں 3264 روپے حاصل کرکے جشنِ بہاراں " منائیں، یہ سوال مودی حکومت اور وزارت کیلئے بھی چیلنج ہے"

کسانوں کے ساتھ اس بدترین مذاق کے بعد کارپوریٹ طبقہ کی کفش برداری اور کورنش بجالانے کی رودادِ ستم کے بعد وجے مالیا جیسے مفرور تاجروں پر حکومتی عنایات مسلسل اور بخشِ لازوال کی ہوشربا داستانیں ملاحظہ فرمائیں، وجے مالیا جس نے مختلف 17 بینکوں سے نوے سو کروڑ روپے قرض لیے اور جس رقم کو آئی پی ایل کی رنگینی، لیڈی چیئرس، اہل خانہ کی عیش کوشی اور اداکاراؤں کے تقریبی سلسلے میں پانی کی طرح اڑا دیتا ہے کنگ فیشر ایر لائنس چونکہ ایک بین الاقوامی کمپنی تھی؛ لہٰذا اسے قرض دینے میں کوئی تأمل نہ کیا گیا اب جبکہ غیر درست مارکٹینگ اور خسارہ کی وجہ سے کمپنی مقروض ہو گئی تو کچھ رقم واپس کی اور کچھ واپس کی ہی نہیں اعداد وشمار جو بھی ہوں تاہم یہ سرکار کی غفلت، نااہلی اور عنایات ہی ہیں کہ لک آؤٹ نوٹس کے باوجود اور ایک مستعد چوکیدار" کی موجودگی میں مالیا فرار ہوگیا فرار کی راہیں کیوں آسان تر ہوئیں" وجوہات مندرجہ ذیل ہیں: (1) دیفالٹر قرار دیئے جانے کے بعد ان پر مزید شکنجہ کسا جاتا، لیکن مکمل آزادی دی گئی (2) وزارت داخلہ کی طرف سے بروقت مالیا کا پاسپورٹ کیوں نہیں ضبط کیا گیا (3) 60 ویں یوم پیدائش کے موقعہ پر بے تحاشا روپے خرچ کئے گئے اس مبینہ بے دریغ اخراجات کے متعلق

کیوں نہیں پوچھ گچھ کی گئی دراں حالیکہ وہ ڈیفالٹر قرار دے دیئے گئے تھے؟ (4) اور بھلا جس کالے دھن کے متعلق ایوان سے سڑکوں تک زلزلہ برپا کردیا جاتا تھا کم از کم اسی "قرض دھن" کیلئے موجودہ حکومت کیوں نہیں ہوشیار ہوسکی؟ اگر اسی قرض دھن کو لے کر سنجیدہ ہوجائے تو کالے دھن سے نہ سہی قرض دھن ہی سے ملک کا کچھ بھلا ہوجائے گا ان امور کے سوا کانگریسی دور میں بھی وجے مالیا کے تعلقات سیاستدانوں سے رہے ہیں، کانگریس جو کل ایوان میں مالیا قضیہ پر چیخ رہی تھی اولا اسی نے پھلنے اور پھولنے کا موقعہ فراہم کیا، نوازشیں اور عنایات کا سلسلہ جاری رکھا حکومت کے ساتھ ساتھ اپوزیشن بھی اسی حمام میں ننگے کھڑی ہے لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک دوسرے پر الزام تراشی اور تحقیق کے نام پر اس واقعہ کو ملک باسیوں سے بھلا دینے کی خواہش ظاہر ہوتی ہے اس المیہ کو کیا نام دیں کہ ملک کا کسان بدحالی کا شکار ہے اور صنعت کار عیش کوشی میں پڑ کر ملک کے اقتصادی نظام کو ڈھانے کی جرات پر آمادہ ہے ضرورت یہ ہے کہ ان بھگوڑے صنعت کاروں پر نکیل ڈالی جائے ورنہ ملک کا اقتصادی بحران اپنی آمد کا منتظر ہے

کشمیر: خون ہی خون، شام و سحر خون!

کشمیر کی فطری تخلیق اور اس کا محل وقوع فلسفیانہ طرز پر ہے اور جغرافیائی اعتبار سے شام و سحر شرق سے غرب اور جنوب سے شمال روح افزا اور صحت بخش ہوائیں آوارہ پھرا کرتی ہیں آسمان و چرخ نیلی فام، بادل و سحاب دودھ سے دھلے اجلے اجلے، مٹی عدن کی بو کا آمیزہ اور گیتی لالہ و صنوبر کی آماجگاہ شاعرانہ تخیلات اس کی تصویر کشی نہیں کر سکتے؛ کیوں کہ تمام تخیلات سے فزوں تر ہیں وہ نظارے ان تمام فطری حسن اور فقید المثال کشش کے باوجود یہ گیتی عدن مفسدانہ سازشوں کے تحت جل، سلگ اور کراہ رہی ہے گجرات میں چند دلتوں پر کیا ظلم ہوا کہ مودی دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے اور درد و سوزش میں مبتلا ہوگئے، خدا جانے یہ کس نوع کی سرگرانی تھی کہ جسے چانکیہ اور اشوک کے عہد سے ہی شدرھ (نجس العین) کہا گیا اور خود چانکیہ نے "چانکیہ نیتی" میں اوچھی نگاہوں سے دیکھا ہے، اسے بھائی کہہ کر دل کی خلش مٹائی حتیٰ کہ اپنی گردن بھی ان شدرھ کے دفاع میں پیش کردی اور جو جنت تھا اسے جہنم زار بنتے دیکھ کر بھی کبیدہ خاطر نہ ہوا جا سکا اور 15 اگست کو لال قلعہ کی فصیل سے خطاب میں ایک لفظ بھی کشمیر مسئلہ نہ کہا، انقلاب احوال بہت دور کا پتہ دیتے ہیں کل جماعتی میٹنگ میں صرف مذمتی قرار داد کے سوا کوئی اور دوسری تجویز قابل قبول نہ ہو سکی؛ بلکہ غیظ

مزید مشتعل ہوا اور کہا گیا کہ "مسئلہ کشمیر پر کوئی سمجھوتہ نہیں" یہ درست ہے کہ مسئلہ کشمیر پر کوئی سمجھوتہ اور سنجیدگی اختیار نہیں کی جا سکتی، تاہم جو کشمیری قید بلا جرم ہیں ان کے تئیں مرکز اور ریاستی حکومت کو سنجیدگی اور سمجھوتہ اپنانا لازمی ہوگا؛ کیوں کہ طلوع سحر میں ظلمت شب کی اطلاع غیر منطقی استدلال ہے بالعموم ٹمٹماتے چراغ کی لو کو ہوا نہیں دی جاتی؛ بلکہ فانوس بن کر اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور یہ ذمہ داری اس وقت مزید دو آتشہ ہو جاتی ہے جب ذمہ دار ہونے کا دعوی بھی ہو یقینا مرکزی قیادت مسئلہ کشمیر کے متعلق بدگمانیوں اور احتمالات میں غلطاں ہے مگر شبہات کے بجائے تصدیقات و تیقن کو لازماً اختیار کرنا ہوگا اور ایسی کیفیات پیدا کرنا ہوں گی کہ برہان وانی کے خون کی چھینٹوں سے جو لاکھوں برہان وانی پیدا ہو چکے ہیں انہیں امن کی بحالی، انصاف کے قیام، خاطی افسران کی سزا اور بقائے باہمی کیلئے باور کرانا ضروری ہوگا، جنگجوئی اور عسکریت ناانصافیوں کا رد عمل ہے اور پھر کیوں نہ یقین کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کرفیو، فائرنگ اور پیلٹ گن کی تباہ کاری کے باوجود لاکھوں عوام بے خوف ہو کر برہان وانی کے جنازے کو کاندھا دے رہے ہیں اور پھول مالا بھی چڑھا رہے ہیں مرکزی قیادت اس فہم و زعم میں ہو کہ مسئلہ کشمیر کا حل "پیلٹ گن" ہے تو یہ بھول ہوگی، دو ہزار سے زائد افراد اس کے شکار ہو گئے؛ لیکن کیا وزارت داخلہ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ان کے احتجاج و ریلیوں میں کوئی کمی نہیں آئی ہے؟

ملک بشمول جملہ ریاست جشن آزادی کی ستر ہویں تقریب کے مسرت آگیں احساسات میں مخمور ہے تو ریاست کشمیر خون، آگ، لہو، سربادیوں اور سربریت کے چہلم کے غم و ماتم میں نوحہ گر اور گریہ کناں ہے، کل جماعتی میٹنگ بھی ہو رہی ہے مگر نشستن، گفتن اور برخاستن کے سوا کچھ بھی نہ ہو سکا ہے، وزیر اعظم تو کل بھی آر ایس ایس کے ترجمان تھے اور آج بھی ہیں اور بغیر ناگپور کی اجازت کے دم بھی نہیں مار سکتے، انہیں جب بولنا چاہیے تھا تو چپ شاہ کا روزہ رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور جب بولنا نہیں چاہیے تھا تو بے محل اور بے محابا بول بھی پڑتے ہیں جب بہار میں نہیں بولنا چاہیے تھا تو آئے دن بہار دورہ کرتے اور خوب بولتے تھے اور جب خوب بولنے کے عوض میں بھاجپا بہار کے اقتدار سے کنارہ کش ہو گئی تو سر دھنتے رہ گئے مودی کی بے محل سخن سرائی سے امام رازی نے "لصوت الحمیر" کی جو تفسیر بیان کی ہے اور جن نکات کی وضاحت کی ہے وہ یکلخت ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے اور تباینات بھی سر رشتہ سے مضبوط ہوئے جاتے ہیں کہ آخرش الحاد و مایوسی کا ان خطوط سے مضبوط ترین رشتہ کیوں استوار ہے، یہ چیستاں بھی مفہوم ہوا جاتا ہے کہ یہ ہنگامہ خیزی کیوں برپا کی جا رہی ہے؟ خون کی ندیاں بہائی گئیں اور بہانا بھی قسمت تھی؛ کیونکہ کشمیر کی قسمت ہی کچھ ایسی ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی خون کے فوارے پھوٹ پڑتے ہیں آزادی کے معاً بعد جس طرح سے کشمیر اور کشمیریوں کیساتھ دورخی پالیسیاں اختیار کی جا رہی ہیں اور مرکزی قیادت جس شک کی نگاہ سے دیکھتی آئی ہے وہ کم از کم اس عظیم

جمہوریت کے حامل ملک بھارت کیلئے زیب نہیں دیتا؛ بلکہ ان کے ساتھ مفاہمت، سنجیدگی اختیار کرنا ہوگی اور حریت اور علیحدگی پسند جماعت کو نقطہ جمہوریت پر متفق کرانا ہوگا انگریز وائسرائے نے جب 30 جون 1947 کو لیگی اور کانگریسی لیڈروں سردار پٹیل، جواہر لال وغیرہ کو باستثنائے مولانا آزاد تقسیم کا نظریہ قبول کر لینے پر آمادہ کر لیا تو جگہ جگہ تشدد اور خون ریزی کا لامتناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا بہار، بنگال، مہاراشٹر، دکن اور پنجاب میں ہزار ہا ہزار افراد تہہ تیغ کر دیئے گئے اور مزعومات کو یقینی بنا کر ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر ہاتھ اٹھانا کارِ خیر سمجھ بیٹھا حتی کہ صرف پنجاب میں اتنی خونریزی کی گئی کہ محض 11 سے 20 اگست 1947 تک گلی، سڑک؛ بلکہ جالندھر، انبالہ اور چنڈی گڑھ اسٹیشن کے ریلوے ٹریک انسانی لاشوں سے بھر گئے حتیٰ کہ چیل کتے نے بھی ان لاشوں کو منھ لگانے کے قابل نہ سمجھا، الغرض جن افکار کے تحت اتنی ہولناک تباہی اور کشت و خون کی گئی تھی، بدلتے وقت کیساتھ ان سے قطع تعلق کر لینا چاہئے؛ کیوں کہ اب اس ملک میں اتنی سکت اور طاقت نہیں کہ 1947 جیسی ہولناکی، سفاکی اور درندگی کو برداشت کرسکے کشمیر بالخصوص وادی میں برسر اقتدار طبقہ ماضی دہرانے کا خواہاں ہے تو شاید خوف ہے کہ کہیں خطہ میں ایٹمی جنگ اور عسکری حملہ نہ شروع ہوجائے؛ کیوں کہ جس طرح بھارتی حکمراں کہتے ہیں مقبوضہ کشمیر بھی بھارت کا اٹوٹ حصہ ہے تو اسی طرح لیاقت علی سے نواز شریف تک کے حکمراں یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے ہیں کہ بھارت کے

دور پٹھان کوٹ تک کا علاقہ پاکستان کا ہی حصہ ہے، جب دونوں طرف یہ دعوے ہوں اور حکمراں اس کیلئے پابند عہد بھی ہوں تو لازماً عوام اس کشاکش میں الجھے گی، ذہنی توانائی بجائے تعمیرات میں تخریب، احتجاج اور مظاہرے میں خرچ ہوگی اور کشمیر کی موجودہ صورتحال اسی کی عکاس ہے مودی کہتے ہیں "کشمیر ہمارا ہے" لیکن کبھی کشمیر کے رستے زخموں پر پٹی رکھی ہے؟ فضاؤں میں بارود کے سمیات کو "بھارتی ویروں" نے گھول دیا، دھواں، آگ بارود اور پھر کراہتی انسانوں کی لاشیں اور چیختے بچوں کی صدائے بے نوا" موجودہ کشمیر کی قسمت بن گئی ہے کیا مودی کو ان گرتی ہوئی لاشیں" اور بچوں کی "صدائے بے نوا" پر فکر مند نہیں ہونا چاہیے؟ یقیناً ان سوالات کے جواب مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن ہے؛ کیوں کہ چانکیہ نے ایک ہزار سال قبل مسیح ہی اعلان کردیا تھا" راج گدی اور سنہاسن (اقتدار وحکومت) ہر کسی کو نہیں ملتا جسے ملا ہے اسے اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور برہما (پنڈت) کے وچن (حکم و وعظ) کا پالن تعمیل) کرنا چاہیے" مودی جانتے ہیں اور ناگپور بھی جانتا ہے کہ حکومت بس ایک) بار ہی ملی ہے پھر اقتدار ایک خواب ہوگا جس کے لئے از سر نو نئے ہتھکنڈے آزمانے ہوں گے جب "کشمیر ہمارا ہے" تو کشمیر میں احتجاج، مظاہرے اور پیلٹ گن کی تباہ کاری جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی جاتی؟ گویا کشمیر ہمارا ہے؛ لیکن کشمیری ہمارے نہیں ہیں تو بھلا پی ڈی پی کی حمایت کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ یہاں وہی چانکیہ فراست کار فرما ہے جسے ہر انصاف پسند قوم ممنوع

سمجھتی ہے جب فطرت مسخ ہو کر اپنے عناصر خمسہ اور خمیر کی عنصریت کا اشارہ دیتے ہوں تو متضاد کیفیات یکلخت رونما ہونے لگتی ہیں اور یہ بدیہی ہے کہ جو قوم بزدل اور محکوم؛ بلکہ ہمیشہ دست نگر رہی ہو وہ مقتدر ہو کر بھی اپنی ماہیت اور جبلت سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتی ملک کے دوسرے مقامات اور متعدد بیانات میں یہی توضیح کی گئی ہے کہ کشمیر کا بچہ بچہ بھارت کو اطمینان اور یقین کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا، تاہم کبھی اس کی وضاحت محسوس نہیں کی گئی کہ کشمیری قوم کیساتھ کیا کیا ناانصافیاں ہو رہی ہیں؛ بلکہ اسے مطعون قرار دے کر ملک دشمن کہا گیا انہیں بنیادی ڈھانچوں سے ہمیشہ عمداً دور رکھا گیا نتیجتاً کشت و خون اور بغاوت کے نئے ابواب رقم ہوتے رہے ہیں سوال اب بھی ہے کہ مین اسٹریم اور ملکی ترقیاتی خطوط سے کشمیری نوجوان کیوں بھٹکا؟ برہان وانی کیوں پیدا ہوا؟ بچہ بچہ کے ہاتھوں میں پیلٹ گن کے جواب میں پتھر کیوں ہیں؟ اور پھر یہ کیسی دلیری ہے کہ اپنی کارستانیوں کو الزامات کے پردے میں یہ کہہ کر چھپانے کی لاحاصل سعی کی جارہی ہے کہ " پاکستان دہشت گردی سے متاثر ہے " اور پھر جواباً معصوموں کا ناطقہ کیوں بند کر دیا گیا؟ اس کا جواب نہیں مل سکتا؛ کیوں کہ اپنی مسخ شدہ ماہیت اور عنصریت کا بے دریغ مظاہرہ کیا جارہا ہے جب تک سنجیدگی اور اپنی عنصریت سے بالاتر ہو کر کشمیری عوام کے تئیں فکر مند نہ ہوا جائے گا، نوجوانوں کو تعلیم، روزگار، اور مین اسٹریم سے نہیں جوڑا جائے گا نیز اپنے زرخرید صحافتی میڈیا ہاؤس کے ذریعہ

لاف گزینی اور شطحیات سے گریز نہیں کیا جائے گا، حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے کشمیریوں نے تو نماز عشق کی تیاری کرلی ہے روز اپنے گرم گرم لہو سے وضو کرکے اقامت و امامت کیلئے انتھک جد وجہد جاری رکھی ہے؛ کیوں کہ اسے حیات سرمدی اور فیضان محبت بلا رہا ہے اور اس جنت نشان سے بڑھ کر جنت، حور و غلماں فرش راہ ہیں جس وقت یہ تحریر سپرد قرطاس کر رہا ہوں ٹھیک صبح کے دس بجے ہیں، چاروں طرف قومی و ملکی گیت سماعت سے ٹکرا رہے ہیں، بچے آزادی کی خوشی میں مسکراتے اور ہنستے ہوئے صف بہ صف اپنے اپنے اسکول جارہے ہیں انہیں "کل" کی مسرتوں کا یقین ہے، لال قلعہ کی فصیل سے عوام کو مودی اپنی "بھاشن" سے نواز رہے ہیں، خود ساختہ نعرہ ستر سال – یاد کرو قربانی" اخبارات کی زینت بن کر دلوں کو 69 ستر سال قبل کی" شہادتیں اور تباہ کاریاں یاد دلا رہا ہے، ملک کے چپہ چپہ میں جشن آزادی منایا جا رہا ہے؛ لیکن ان تمام خوشیوں اور مسرتوں کے باوجود میرا دل زخمی ہے، میرا جگر پاش پاش ہے اور میرا کلیجہ لہولہان ہے، پورا ملک آزادی کے نشہ میں مخمور ہے کیا پیر و جواں کیا خواتین کیا بچے سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں؛ لیکن اسی آزاد ملک میں ایسی ریاست کشمیر بھی ہے جو کرفیو میں محصور ہو کر آزادی اور آزادی کے جشن سے کوسوں ہے؛ بلکہ وہاں خون، فغاں، درد، چیخ، آنسو اور ہونٹوں پر آزادی کے شکوے ہیں! اس ، شورش، طوفان

یرغمال، لہو اور چیخ و پکار کا حل جلد تلاش کر لینا چاہئے ورنہ تاریخ کشمیر کو "گورستان زندہ" کے نام سے یاد کرے گی

کشمیر: ..... لہو ہمارا بھلا نہ دینا!

لہو در لہو، آہ در آہ، چیخ در چیخ، اشک در اشک اور حزن در حزن کی المناکیوں کے درمیان کرفیو، بندش، بھوک کے 43 یوم گذر چکے ہیں، درست تعداد کے موافق 66 سے زیادہ افراد جام شہادت نوش کر چکے ہیں، ہزاروں وادی کے مختلف اسپتال ایس ایم ایچ ایس، میڈیکل انسٹی ٹیوٹ، رعناواری اسپتال، چلڈرن اسپتال کے علاوہ شفاخانہ میں موت و حیات کی کشمکش سے دوچار ہیں تو ہزاروں افراد پیلٹ گن کی تباہ کاری کی نذر ہو کر اپنی بینائی سے ابد تک کے لیے محروم ہوگئے۔ کشمیریوں نے تو اپنے غم اور ملال کا چالیسواں بھی گذار لیا ہے، ابد تک اس تاریخی غیر معینہ کرفیو پر ماتم و نوحہ کریں گے اور اس متذکرہ سیاسی جبر کی دماغی دہشت گردی کا یوم الحشر تک مرثیہ پڑھیں گے۔ بھارتی وزیر اعظم نے مسئلہ کشمیر کو اپنے متنازع اور غیر معقول بیان سے مزید پیچیدہ بنادیا؛ چونکہ فی الوقت کشمیر کرفیو اور فوجی دہشت گردی کا تصفیہ چاہتا ہے، امن و سلامتی نیز سیکوریٹی پر ہمیشہ اعتماد کرتا ہوا آیا ہے اور کل بھی کرے گا؛ لیکن جوابی رد عمل کے متشددانہ افعال یقینی اور بدیہی طور سے بھارت کی زعفرانی سوچ کو مزید واضح کرتے ہیں کہ آخرش بھارت نہتوں پر بے دریغ گولیاں برسا کر اقوام عالم میں کیا تاثر دینا چاہتا ہے؟ جب بھی کشمیر پر فیصلہ کن اقدامات اور تصفیہ کے لیے مذاکرات کی دعوت دی

جاتی ہے کچھ زر خرید افراد حقیقی معنوں میں انسانیت کے دشمن اور منافق ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں کہ جس کے سبب سے مذاکرات ناکام ہو جایا کرتے ہیں، ہمارا اس سوال میں الجھنا بے سود ہوگا کہ بھارت کا نقطہ نظر مسئلہ کشمیر پر کیا ہے؟ خواہ وہ کانگریس کا دور اقتدار ہو یا پھر بھاجپا کا مسئلہ کشمیر پر ایک ہی نقطہ فکر ہے کہ جس کی بنیاد تقسیم کی ہولناکی اور درندگی پر رکھی گئی تھی۔ بلوچستان کے متعلق اپنے حق ملکیت کا ادعاء خطہ میں ایک نیا تنازع چھیڑنا ہے یقیناً پاکستان اسے ہرگز برداشت نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ از خود ماؤنٹ بیٹن کے نظریہ کے بموجب سردار پٹیل، گاندھی جی، جواہر لال وغیرہ؛ بلکہ باستثنیٰ مولانا آزاد تمام کانگریسی اور لیگی لیڈران کے عین منشا کے موافق تقسیم کے رہنما اصول وخطوط کی روشنی میں کشمیر پاکستان کا حصہ ہوتا ہے؛ لیکن مہاراجہ کے لفافہ بند خط کے لحاظ سے کشمیر بھارت کا ہی ایک "انگ" (حصہ) ہے۔ بھارتی خفیہ ایجنسی "را" اور اس کی ذیلی ایجنسیاں جو بیرون ملک بالخصوص بلاد اسلامیہ عرب، عراق، لیبیا جیسے طاقت ور ملک کے حفاظتی امور، اقتصادیات، اور داخلی و بیرونی سیاسیات پر ہمیشہ شب خون مارتی ہوئی آئی ہیں، کے مزعومات پر اعتماد کی بنیاد پر مودی نے بلوچستان کے عوام کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس مسئلہ میں بھارتی قیادت کے ساتھ ہیں جب کہ یہ ایک بے نوا تال تھی حقیقت سے اس کا کوئی رشتہ نہیں؛ کیوں کہ سخت گیر بلوچ قوم جس کے رگ و ریشہ میں قومی حمیت پھڑک رہی ہے اس تعشق بیداد میں پڑ کر

اپنے "جنون و سودا" کو رسوا نہیں کر سکتی ہے۔ اپنے عظیم رہنما اکبر بگٹی کی 2006 میں شہادت بھی اسے بداعتقاد نہ بنا سکی؛ بلکہ مزاحمت میں شدت آئی اور ناانصافیوں کے خلاف پراشتعال مظاہرے بھی کئے؛ لیکن اس کا تصفیہ جلد ہی کرلیا گیا۔ بھارتی قیادت جسے برہمنیت کا سودا سما چکا ہے اس نے ہمیشہ ملکی و غیر ملکی مسائل پر ابہامات کو ترجیح دی ہے اپنی قطعیت کی کبھی وضاحت نہیں کی اور بلوچستان کے عنوان سے پاکستان پر الزامات عائد کرکے کشمیر اور دیگر مقامات میں بھگوا دہشت گردی پر پردہ ڈالنے کی ننگ کوشش کی جو سراسر فسطائیت کا عندیہ ہے، بلوچستان پاکستان کا داخلہ معاملہ ہے اور کسی ملک کے داخلی معاملات سے سروکار رکھنا ابلہی اور فضول ہے، بھارت کو اولا اپنے شہری کے حقوق اور ان کی اقتصادیات نیز بڑھتی مہنگائی جیسے تشنہ امور پر توجہ دینی چاہیے تاکہ عوامی رجحانات ان کے تئیں مزید منفی شکل اختیار نہ کریں یہی وجہ ہے کہ صحافتی اداروں، زر خرید کالم نویسوں اور ٹی وی اینکروں کی ایک کھیپ ہمیشہ تیار رکھی ہے جو ان کے عیوب و نااہلیت کی ملمع سازی کرتے رہتے ہیں؛ چونکہ از خود انہیں عوامی احتساب جو آئندہ الیکشن میں ہوں گے، کا خوف ستاتا رہتا ہے، زرخرید صحافیوں میں ارنب گوسوامی کا چہرہ صاف دیکھا جاسکتا ہے اور پھر کشمیر سانحہ نیز برہان وانی کے متعلق جس طرح زعفرانی صحافتی خدمات کا بے دریغ مظاہرہ کیا ہے، وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ اگر بدیہی دیکھا جائے تو بھارت کا بلوچستان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہونا چاہیے کجا دعوی ملکیت؟ یہ

اصرار خلقی انتہا پسندی اور بھگوائیت کی بدترین علامت ہے۔ کشمیر مسئلہ پر بھی دو قومی نظریہ اور عناد؛ بلکہ ضد چھوڑ کر ریاست کی ترقی، استحکام، عوام کے تئیں اعتماد و تیقن کی خاطر مثبت سوچ رکھنی چاہیے؛ کیوں کہ یہ جنت ارضی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ فضاؤں کو خقن و بوئے وفا کی مستی سے معمور کیا جائے، آہ و فغاں اور بارود و لاش کے سمیات سے زہر آشنہ بنانا کج فہمی، ذہنی یرغمال اور ابلہی ہے۔

جب برہان وانی (تغمدہ برحمتہ) نے اپنے بھائی پر مبینہ آرمی کے تشدد سے جنگجوئیت اختیار کی اور اپنے خود ساختہ جنگی مہارت کے باعث حزب المجاہدین کا کمانڈر مقرر ہوا اور پھر انتقام کے جوش میں آکر فوجیوں پر آپریشن کا آغاز کیا حتیٰ کہ فوجیوں کو اس مبینہ حملہ میں کافی نقصانات بھی اٹھانے پڑے جیسا کہ فوج کے اعلیٰ حکام کا اختیار کردہ موقف ہے۔ اسی طرح جب عوام نے برہان وانی کو اپنا ہیرو سمجھ لیا اور اس کی مبینہ شہادت کے بعد جو عقیدت و محبت امنڈ کر آئی وہ ہمیشہ دیدنی ہوگی؛ بلکہ از خود بھارتی سیاست و انتظام نیز فکری بھگوائیت کو اس ذیل میں غور کرنا ہوگا کہ عوامی رجحانات برہانی وانی کے تئیں کیوں کر پیدا ہو کر مضبوط تر ہوگئے؟ اسلحوں کے زور اور آتشیں بندوق سے مزاحم کا گلا گھونٹا تو جاسکتا ہے؛ لیکن تحریکی نظریات کا سدِباب ہرگز نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھارت اور عوامی جدوجہد نیز

پڑوسی ملک کے درمیان تقریباً 69 سال سے باہم مسابقت ہوتی چلی جا رہی ہے، تاہم کشمیریوں جیسے بے جگرے اور سخت جان عوام ہیں کہ جنھوں نے اربوں کی قربانیاں نذر کرکے بھی اس سے دریغ نہ کیا۔ 1947 میں پہلی جنگ، دوسری 1965 میں اور تیسری 1999 میں کارگل جنگ کے نام سے لڑی گئی علاوہ ازیں 2010–2011 میں بھی اس سخت جان قوم نے اپنی قربانیاں دی ہیں، شہری ہلاکتیں بھی بڑی تعداد میں ہوئی ہیں تاہم گذرتے وقت کے ساتھ حالات معمول پر آ گئے۔ ابھی کل روزنامہ اڑان اور کشمیر عظمیٰ کی مصدقہ خبروں کے مطابق گذشتہ یعنی 18 اگست کی شب دیر رات جب کھریو کے شمار شمالی کے تمام مکین سونے کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت آرمی کے جوان نے محلوں اور گھروں میں گھس کر قیامت صغریٰ برپا کردی، معصوموں، ماؤں اور بہنوں کو زیر چوب زدوکوب کیا گیا، کئی مکانات کے آہنی دروازے اکھاڑ دیئے، کھڑکیوں کے شیشے سنگ باری کرکے چکنا چور کرگئے، اس قیامت صغریٰ کے نتیجے میں سالہ لیکچرار کی موت واقع ہوئی تو 100 افراد شدید زخمی بھی ہوئے اور 30 افراد 30 جبراً بلاجواز گرفتار بھی کرلیے گئے۔ آرمی کا مبینہ الزام تھا کہ شمار شمالی کے عوام نے فوج پر پتھراؤ کیا تھا؛ لہٰذا انتقاماً خاطیوں کی گرفتاری عمل میں آئی ہے، وہیں کشمیر عظمیٰ کی دوسری یہ خبر بھی ہے کہ اسی بستی سے ایک فرد شبیر احمد منگو کو اٹھا کر لے جایا گیا اور زیر چوب اس قدر زیادتی کی کہ ان کی موت ہوگئی ان کے ہر عضو سے خون ہی رس رہا تھا۔ اس کے علاوہ جہاں جہاں فوجی دہشت گردی دیکھنے کو ملی

ہے وہاں بے دریغ اور بلاجواز بربریت کے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے گئے ہیں؛ بلکہ عمداً انھیں نشانہ بنایا گیا ہے اور براہِ راست عوام کے خلاف ہی مورچہ سنبھال لیا گیا ہے۔ یہ واقعہ صرف کھریو کا ہی نہیں ہے، سوپور، اننت ناگ، پلوامہ، پانڈی پورہ، شوپیان وغیرہ؛ بلکہ پوری وادی کی یہی کہانی ہے۔ یہ کشمکش، آہ و فغاں اور نالہ بے نوا کب تلک جاری رہے گی؟ البتہ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مرکزی قیادت کب تک مسئلہ کشمیر اور جاری ہڑتال، کرفیو اور فوجی جبر کے متعلق اپنے مثبت موقف کا واضح اور بین اقرار نامہ پیش کرتی ہے نیز یہ بھی قابل دید ہوگا کہ جو بلاوجہ پیلٹ گن کے شکار ہو کر بینائی سے محروم ہو چکے ہیں اور جو فوجی جبر و زیادتی کے باعث جاں بحق ہوئے ہیں انھیں حکومت کس طرح کا تعاون پیش کرتی ہے۔

تمام حقائق اور واضح بینات کے بعد ہر ذی شعور اور انصاف پسند طبقہ جو جمہوریت اور مساوات پر یقین رکھتا ہوگا یہی موقف اختیار کرے گا کہ جو کچھ بھی کشمیر میں 43 دنوں میں ہوا وہ انسانیت کے نام پر سخت ترین جرم ہے۔ سرکاری رپورٹ کے مطابق 66 افراد جاں بحق ہوئے، 5000 ہزار افراد مجروح ہوئے، 2000 ہزار کے قریب پیلٹ گن کے شکار ہوئے، اربوں کی مالیت ضائع ہوئی اور 43 دن گذر جانے کے بعد بھی ہر ایک کشمیری کا دل لہو لہو ہے۔ یقیناً انسانیت کی جبین پر یہ 43 دن بدنما داغ ہیں۔

انسانیت کا تقاضہ ہے کہ اسلحوں

کی مسابقت، فوجی تشدد، آہ و فغاں، نالہ و نوا اور اشک پیہم روک دیئے جائیں۔ مزاحمتی گروپ جس میں سید علی گیلانی اور میر واعظ عمر فاروق جیسے افراد رہنما تسلیم کئے جاتے ہیں انھیں بھی وقت کی نزاکت اور شہادتوں پر مصالحت اختیار کرکے خود سپردگی نہیں؛ بلکہ مفاہمت سے کام لینا چاہیے اور بھارتی قیادت بشمول ریاستی حکومت کو بھی اب انسانیت کے اس رستے ہوئے زخم پر پٹی رکھ دینی چاہیے؛ کیوں کہ جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اور جن راستوں کے ذریعہ عوامی تاثرات کو دبانے کی کوشش کی گئی ہے وہ آئینی جرم ہے اور پھر پیلٹ گن کے مقابلے عام گن استعمال کرنے کی جو درخواست دی گئی ہے اور سپریم کورٹ نے جو پیلٹ گن سے تباہی کا نوٹس لیا ہے، فوج اور مرکزی قیادت کو اسے قریب سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اقوام متحدہ جو حقوق انسانی کی حمایت کرتا آیا ہے بلاتاخیر از خود مسئلہ کشمیر اور شورش وبندش پر نوٹس لیتے ہوئے شافی وکافی حل ڈھونڈے؛ کیونکہ 43 دن سے عوام کے خلاف فوجی تشدد سے یہ آثار قریب تر ہوگئے کہ خطہ میں ہولناک تباہی دستک دے رہی ہے۔ اقوام متحدہ اور بھارتی قیادت یہی چاہے گا کہ سیکوریٹی اور کشمیر کے نام پر جو ذہنی دہشت گردی جاری ہوئی ہے وہ دم واپسیں تک جاری رہے؟ یقیناً یہ مجرمانہ کوشش ہوگی۔

سری نگر کی جامع مسجد مسلسل چھ ہفتے سے سجدہ ہائے نیاز مند و ادائے عشق کی"

تمام رعنائیوں سے یکسر محروم ہے، در و دیوار غلغلہ ہائے شوق کی نوائے دلنواز سے عاری ہے، لامکاں کا "مکانِ جلوہ جاں سوز" مختلف زاویے سے لہو لہو ہو چکا ہے، صف بہ صف نمازِ عشق کی ادائیگی کی دلربا تصویر یک قلم مضمحل ہو گئی، جمعیت اور اجتماعیت جو کہ اسلام کی اولین تعلیم ہے اس پر سیاسی جبر نے شب خون مار دیا، رستخیزِ عشق کی کارفرمائی یوں تو بند کمرے میں بھی ہو سکتی ہے؛ لیکن ہجومِ عاشقاں میں شورشِ دلِ گریہ کی فغانِ عرش رسا تمازتِ عشق کو مزید مہمیز کرتی ہے، وہاں مسلسل لات و منات کے بندے شرارِ نفسِ اہرمن بن کر اٹھتے ہیں اور "عالم ہو" کو خاکستر بنا دیتے ہیں، سینے میں روح محمدیؐ جلوہ نما ہو کر طمانیت پیدا کرتی ہے، آنکھوں میں سرور اور دل میں اعتقاد کی پختگی نیز صبر و ضبط کی ترغیب دیتی ہے، ان شورش دل ہائے گریہ مند صبر و ضبط پر کاربند ہوتے ہوئے اپنے اشک و لہو سے اپنا چہرہ بھی دھل لیتے ہیں؛ لیکن پیش آمدہ خونچکانی ضبط کے بندھن کو یک قلم توڑ دیتی ہے، لالہ و صنوبر کی گیتی بے مثال غلمانِ عدن کے لہو سے سرخ ہوتی جا رہی ہے، معصوم بچوں کی کلکاریاں نوائے بے نوا بن کر عرش تک جاتی ہیں اور اسے متزلزل کر دیتی ہیں؛ لیکن "الی اجل مسمّٰی" کا لفظ میثاق سن کر صبر کا حکم لئے واپس آ جاتی ہیں۔ 69 سال سے لاکھوں معصوم کی شہادت اور گمنام قبروں کے مکیں جنھوں نے امن طلب کی تھی انھیں امن کا درس یوں دیا کہ شہادت کے جام صہبا نوش کر گئے اور جن کی قبروں پر نہ تو آج تک کوئی فاتحہ پڑھ سکا اور نہ ہی کسی نے ان عاشقان

پاکباز کی قبروں پر "لباس جنوں" چڑھایا الغرض اتنی قربانیوں کے باوجود امن قائم نہ ہو سکا اس کی وجوہات تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ شہیدانِ پاکباز کے لہو کا قطرہ قطرہ پکارتا ہے!

سنو اے جبر و تعلی!

"لہو ہمارا بھلا نہ دینا"

ہم ہیں خاک و خوں میں غلطاں

قوم ہے ہر وقت ہراساں

نہ ہم نے بزدلی دکھائی

چوٹ سینوں اور دل پہ کھائی

حوصلہ مرا عزم بھلا نہ دینا

ہاں سنو!

"لہو ہمارا بھلا نہ دینا"

یکساں سول کوڈ کا نفاذ :

! موت کھولے ہے منھ گویا

ملک کی جمہوریت کی شام ہو چکی، بھگوائیت اور برہمنیت نئے زاویے اور مختلف النوع جہات سے ملکی قوانین اور پرسنل لاء پر حاوی ہونا چاہتی ہے جس کے لئے توڑ جوڑ، سازشیں اور برہمنی فریب کی تمام کوششیں ازبر کر لی گئی ہیں اور ان ہی موجودہ ایام جو کہ جمہوریت اور سیکولرزم کے لئے زہرِ ہلاہل ہیں، کیلئے عددی طاقت کا بے مثال مظاہرہ کیا گیا تھا گویا ہندوازم کی بقا اور اس کے تحفظات پر عمل درآمد ہر ایک فرد بشر ہر لازم ہے،. برہمنیت کی تاریخ یوں تو قدیم ہے؛ لیکن اس کہنگی کے باوجود لاینحل معموں میں الجھی ہوئی ہے۔ چانکیہ کے علاوہ کوئی مرد میدان ایسا دور دور تک نظر نہیں آتا جو درست خطوط کی رہنمائی کرے، الّا یہ کہ برہمنی فریب کا مظاہرہ ہو۔ جب سے مرکز پر ایک مخصوص طبقہ کا تسلط ہوا ہے، نت نئے شوشے چھوڑے جا رہے ہیں تاکہ ملک کے عوام مبینہ ڈھائی سال کی ناکامیوں پر سوال نہ اٹھائے، الغرض مبینہ برہمنی افکار اور اس کی شاطرانہ چالوں کے بموجب اسلام کو اپنے مقررہ قوانین کی مدافعت کیلئے اقدامات کرنے پڑ رہے ہیں؛ کیونکہ اس سے صرف اسلامی عائلی نظام ہی متاثر نہیں ہوتا؛ بلکہ ملی تشخص بھی یکساں سول کوڈ کی زد میں آکر مجروح

ہو جاتا ہے ، اسلامی عائلی نظام اور شریعت محمدی کامل، اکمل اور مکمل ہے۔ انسانیت اور بود و باش کے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا : قول باری ہے " آج میں نے تمہارے دین کو مکمل (جامع و مانع) بنادیا، اپنی نعمتیں تم پر پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا " (المائدۃ آیت نمبر ۳) اور اسی طرح دوسری جگہ صاف لفظوں میں درج ہے م نے آپ کے لئے دینی امر میں ایک طریقہ بنایا ہے؛ لہٰذا آپ اسی طریقہ پر چلیں اور نفس پرستوں کی بات کو نہ مانیں " (جاثیہ آیت نمبر ۱۸) ان مندرجہ بالا پیش کردہ ترجمہ کی آیتوں میں علماء امت اور فقہاء اسلام نے شرعی قوانین پر تصلب اور مداومت کیساتھ قائم رہنے کا حکم مستنبط کیا ہے، آیت شریفہ بغیر تردد کے شرع پر قائم رہنے کا حکم دیتی ہے، مفسرین نے ادلہ اربعہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط مسائل کے علاوہ دوسری شق اور منہاج سے مستنبط مسائل و احکام کے تئیں بیزاری اور برات کا اعلان کیا ہے امام رازی وغیرہ جیسے مفسرین نے شدت کے ساتھ ممانعت کی ہے؛ کیونکہ یہی شریعت کا مزاج و منہاج ہے، مرکزی سرکار یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کرتی ہے اور اسے ممکن العمل بنانا بھی چاہتی ہے تو صاف جان لینا چاہیے کہ " جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی پیروی کریں اور اس کے سوا کسی اور کی پیروی نہ کریں " (الاعراف آیت نمبر ۳) اس واضح قرآنی اعلان اور واشگاف جمہوری دفعات کی اجازت کے بعد یکساں سول کوڈ کا نفاذ غیر آئینی اور ناروا ہوگا؛ کیوں مسلم طبقہ ابتدا سے تادم تحریر؛ بلکہ قیامت

تک قرآنی فرامین سے اعراض نہیں کرسکتا اور نہ یکساں سول کوڈ کو برداشت کرسکتا ہے، مرکزی سرکار نے خانہ جنگی کا بگل بجایا تو ہے؛ لیکن اس میں کامیابی کبھی یک قلم نہیں مل سکتی؛ چوں کہ یہ مذہبی آزادی پر قدغن ہے۔ آخرش بھارتی سرکار اتنی شدومد کے ساتھ کیوں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کیلئے پر عزم ہے؟ چونکہ آر ایس ایس نے مکمل ہندو راشٹر کا خواب دیکھا تھا جس خواب کی تعبیر بھی مل گئی، ۲۰۱۴ کے عام انتخابات میں اسے بھاری اکثریت بھی ملی، بھگوا نواز جماعت اور افراد سے یہ عہد بھی کیا گیا تھا کہ رام مندر کی تعمیر کے ساتھ بقول خویش "کڑواد" (یعنی مذہبی تحفظات و آزادی پر قدغن) کا بھی خاتمہ ہوگا، کالا دھن کا وعدہ تو جملہ ثابت ہوا، کالا دھن نہ آسکا، البتہ اقلیت؛ بلکہ مسلمانوں کے عائلی نظام پر براہِ راست یلغار آسان تر ہو گئی، امیر شریعت رابعؒ نے اپنی تالیف "مسلم پرسنل لاء" میں یکساں سول کوڈ کی اصل حقیقت بیان کی، لکھا: "اصل مقصود دستور میں دیئے گئے بنیادی حق (مذہبی و ثقافتی آزادی) کو ختم کرنا اور ملی امتیازات کو مٹا کر پورے معاشرے میں یکسانیت پیدا کرنا ہے، دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان جو اپنے عقیدے کے مطابق کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کو ہی واجب الاتباع سمجھتے ہیں اور بہ حالات موجودہ کم از کم جن چند مسائل کے اندر انہیں اپنی شریعت کے مطابق عمل کی آزادی ہے، اسے بھی ختم کرکے عام انسانی خواہشات کی اتباع اور انسانوں کے بنائے ہوئے اصول و قوانین

کی بالاتری تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا جائے" (مسلم پرسنل لاء ص ۱۴) امیر شریعت علیہ الرحمۃ نے تقریباً ۳۰/سال قبل ہی اس کی پیشنگوئی کر دی تھی کہ یکساں سول کوڈ کا نفاذ ملی تشخص کو مجروح کرنا اور مذہبی و ثقافتی آزادیوں پر مکمل طور سے قدغن لگانا ہے تاکہ مسلمان اپنے شناخت و امتیاز سے عاری ہو کر ہوئی پرستی پر مبنی انسانی قوانین کی برتری و تفوق تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائے۔

شرعی امور اور ان کے مصادر انسانی مقررہ اصول پر مبنی نہیں ہیں طلاق ثلاثہ، تعدد ازدواج، فسخ، ہبہ، وراثت وغیرہ مسائل مبنی القرآن والحدیث ہیں، طلاق ثلاثہ کی اہمیت اور اس کی شرعی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، فقہ کی مطولات اس ذیل میں دلائل و براہین سے بھری پڑی ہیں۔ مذاہب اربعہ حنفیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور مالکیہ بالاتفاق ایک مجلس میں تین طلاق کو تین ہی قرار دیتے ہیں جیسا کہ مطولات و مراجع میں مذکور ہے، البتہ متاخرین علماء ابن تیمیہ، ظواہر، رافضیہ وغیرہ نے اسے ایک ہی تسلیم کیا ہے جیسا کہ ہندوستان کے غیر مقلد احباب کا شعار ہے؛ لیکن طلاق ثلاثہ کی ماہیت و ہیئت اور اس کے وجود کے تسلیم کی سب سے بڑی وجہ اجماع ہے اور ادلہ اربعہ میں ایک شق اجماع بھی ہے؛ لہٰذا طلاقِ ثلاثہ نص سے ثابت ہے اور اس امر منصوص کو دنیا کی کوئی طاقت خواہ وہ آمریت ہی کیوں نہ ہو بدل نہیں سکتی

۔ تعدد ازدواج کے مسئلہ پر حکومت نے "شنکھ ناد" بجایا ہے، اولا تعدد ازدواج کے مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے، اس کی حکمت و مصلحت کا باریکی کا تمام مکروہ تفکرات سے بالاتر ہو کر جائزہ لینا چاہئے، حسن و قبح کی تمیز پیدا کرنی چاہئے ۔ تعدد ازدواج شہوت رانی اور عیش کوشی کیلئے نہیں ہے؛ بلکہ عورت جیسی کمزور صنف پر لطف و عنایت ہے، یہ معاشرہ میں توازن و استحکام کے لئے ہے تاکہ جو بیوہ عورتیں بے سہارا ہیں وہ نکاح کرکے زندگی آرام سے گزار سکیں۔ قرآن مقدس میں ہے " تم نکاح کرو ایک عورت، دو عورت، تین عورت یا چار عورتوں سے، اگر تمہیں ڈر ہو کہ آپسی میں عدل قائم نہ کرسکو تو ایک عورت ہی کافی ہے " (النساء آیت نمبر ۳) تعدد ازدواج صنف نازک پر ظلم نہیں؛ بلکہ یہ خیر و عافیت کے پہلو کا حامل ہے ۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد جرمنی اور یوروپ کی جو صورتحال ہوئی اور جس طرح مرد حضرات کی قلت ہوئی وہ سیاستدانوں سے مخفی نہیں ہے، بے حیائی، زناکاری اور جنسی بے راہ روی کی وبا عام ہوئی اور ایڈز جیسے مہلک مرض میں پچیس پینتالیس افراد مبتلا ہوگئے اور عجیب جنسی افراتفری پھیل گئی، تاہم اسلام نے ایسے اصول مقرر کئے کہ جس سے معاشرہ میں توازن برقرار رہ سکتا ہے ۔ بھارتی سرکار تعدد ازدواج پر قدغن لگا سکتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ کالجز و یونیورسٹیز میں سیکس کلچر پر نکیل ڈالی جائے، دہلی ریپ راجدھانی بن چکی ہے اس وجہ معلوم کرکے اس کے سدباب کی کوشش کرنی چاہئے ۔ چانکیہ نے بھی اپنی " چانکیہ نیتی " میں لکھا ہے عورت، دولت اور اولاد "

دل بہلانے کی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کے لازمے ہیں، اس سے زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے" گویا عورت کوئی کھیل کی چیز نہیں؛ بلکہ قدم بہ قدم ساتھ رہ کر درد اور دکھ بانٹنے والی ذات ہے۔ مرکزی سرکار کو "شنکھ ناد" بجانے کے بعد شرعی قوانین کے تحفظ و بقاء کی خاطر مستقل چودہ سو سال سے بلند ہوتی "تکبیر مسلسل" کی اجتماعیت، پنہاں قوت، استحکام اور اس کے اقبال کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور سمجھنا چاہیئے کہ یہ "تکبیر مسلسل" شرعی قوانین کے تحفظ کے لئے بے تکان کیوں بلند ہوتی آرہی ہے۔

موجودہ صورتحال کے لئے ہمیں ان سے مدافعت کی خاطر دو کام کرنے ہوں گے، اولًا: یہ کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جانب سے دستخطی مہم قصبہ قصبہ قریہ قریہ چلائی جارہی ہے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اپنے رشتہ دار اور پڑوسیوں کی خواتین سے دستخط حاصل کریں اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پتہ پر ارسال کریں تاکہ مرکزی حکومت کو یہ باور کرانا آسان ہو کہ مسلم معاشرہ کی خواتین شرعی اور عائلی قوانین پر مطمئن ہیں، شریعت کی طرف سے قائم اصول و ضوابط مکمل انسان کی رہنمائی کرتے ہیں طلاق، رضاعت، وراثت، ہبہ، حضانت وغیرہ مسائل پر کوئی اشکال و اعتراض نہیں؛ بلکہ یہ قوانین و ضوابط منزل من اللہ ہیں نیز یہ اصول مکمل فطری تقاضوں کے ترجمان ہیں، ثانیًا: جمعیۃ العلماء، مسلم پرسنل لاء بورڈ، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور دیگر ملی

تنظیم متحد ہو کر یکساں سول کوڈ کے خلاف ملک گیر تحریک شروع کی ہے، یہ ادارے قوم وملت کا سرمایہ ہیں، ملت کے کشتیباں اور اخلاص و وفا کا سرچشمہ فیضان ہیں ان کی آواز پر لبیک کہنے کو ہمہ وقت تیار رہیں؛ کیوں کہ آپ کی بیداری پیشواؤں کو تقویت و جرات فراہم کرتی ہے اور جذبۂ شاہین پاکر ملت کے اقبال کی خشت اول رکھنے میں دریغ نہیں کرتے، چند لبرل اور بھگوا ذہنیت کے نام نہاد دانشوران و صحافی کو یہ دستخطی مہم اور یکساں سول کوڈ کے خلاف ملک گیر تحریک بازیچۂ اطفال نظر آرہی ہے، یہ ان کا قصورِ فہم اور میر صادقی کی بدترین مثال ہے، ان کے پروپیگنڈہ اور بھگوا نوازی کے فلسفہ سے قطع نظر ملی تشخص اور اس تشخص کے استحکام کی حاظر قومی حمیت و اتحاد کا مظاہرہ کریں؛ کیوں کہ یہ ایک ایسا نازک دور ہے جو کہ آزاد بھارت کی تاریخ میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملا اور ان تمام فلسفۂ لات و منات کے اظہار کا مقصد صرف اور صرف "ہندو راشٹر" کے قیام کی راہیں استوار کرنا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کی معنویت اور اس کی جدوجہد سے معمور تاریخ نیز اس کی ہمہ گیر کی فہم اور اس کی ضرورتوں کے مقتضیات کے ادراک کیلئے امیر شریعت مولانا ولی رحمانی کے تاریخی کلمات کافی ہیں جسے دس سال قبل یکم مارچ/ ۲۰۰۳ مونگیر کی سرزمین پر منعقدہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے جلسہ میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"مسلم پرسنل بورڈ کی تاریخ ایمان و یقین کے متوالوں کی تاریخ ہے، بصارت و

بصیرت، جرات و عزیمت کی تاریخ ہے، صبر و برداشت ،احتیاط و پرہیز کے ساتھ سوز دروں اور جذب و جنوں کی تاریخ ہے،.بروقت فیصلے اور فیصلوں پر مسلسل عمل کی تاریخ ہے، وہ احتیاط جو بزدلی کا تخفہ دے، وہ پرہیز جو حالات سے گریز سکھائے، وہ صبر جو ظلم مسلسل کی حسیں تعبیر تلاش کرے اور وہ برداشت جو بے عملی تک پہنچا دے، زندہ افراد اور زندہ اداروں کے لئے نہ قابلِ قبول ہے اور نہ گوارہ ! " لہٰذا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قدم سے قدم ملا کر چلیں اور تحفظ شریعت کی خاطر دینی تصلب پر قائم رہیں۔

م